ہفت روزہ

خدام الدین لاہور

بیادگار

شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی

شیرانوالہ دروازہ لاہور

مؤرخہ: ۳ اگست ۱۹۶۲ء

یکے از مطبوعات انجمن خدام الدین لاہور

ہدیہ ۲۵ پیسے

احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

۱۔ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رض عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا بَعَثَ اللّٰهُ اِلَّا رَعَى الْغَنَمَ فَقَالَ اَصْحَابُهٗ وَ اَنْتَ فَقَالَ نَعَمْ كُنْتُ اَرْعَاهَا عَلٰى قَرَارِیْطَ لِاَهْلِ مَكَّةَ

(رواہ البخاری)

ترجمہ:۔ ابوہریرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے جو نبی بھی مبعوث فرمایا ہے اس نے بکریاں ضرور چرائی ہیں صحابہؓ نے عرض کی۔ کیا آپ نے بھی؟ آپ نے فرمایا جی ہاں، مَیں بھی چند قیراط پر مکّہ والوں کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔ (بخاری شریف)

تشریح:۔ بکریاں چرانی ایک بہت ہی معمولی چیز ہے لیکن تاریخ نبوت میں چونکہ اس کو بھی ایک اہمیت حاصل تھی۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں اس کا ثبوت بھی ملنا ضروری تھا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ بکریاں چرانا نبوّت کے ایسے لوازم میں سے ہے کہ ہر چرواہا نبوّت کا دعویٰ کر سکتا ہے بلکہ مقصد یہ ہے کہ جو نبی ہوا ہے اس کی زندگی میں یہ جزئی ضرور پیش آئی ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بکریاں چرانا خود قرآن کریم کے اشارات سے ثابت ہے۔ اب رہی یہ بحث کہ بکریاں چرانے کی اتنی اہمیت کیا ہے۔ یہ ایک جداگانہ مسئلہ ہے۔ اس پر علماء نے علیحدہ بحث کی ہے اتنا سب جانتے ہیں کہ طبیعت کو غم کا خوگر بنانے کے لئے مشکل سے شاید کوئی دوسری ٹریننگ اس سے زیادہ مؤثر ہو حتیٰ کہ فارسی زبان میں یہ ایک مثل ہی بن گئی ہے کہ "غم نہ داری بُز بخر" پھر انجیل میں ابھی تک حضرت عیسٰی علیہ السلام کی زبان مبارک سے بنی اسرائیل کو جگہ جگہ بھیڑوں کے لفظ سے خطاب کیا گیا ہے۔ گویا ایک گمراہ امت کا نقشہ سمجھنے کے لئے جو کسی ایسے میدان میں نکل گئی ہو جہاں کھانے پینے کا کوئی سامان نہ ہو اور پھر چاروں طرف سے ڈاکوؤں اور قزّاقوں میں گھر گئی ہو بکریوں کے اس گلّہ سے زیادہ کوئی اور دوسرا صحیح نقشہ نہیں ہو سکتا جو ایک بے آب و گیاہ میدان میں بھیڑیوں کے بیچ میں جا پھنسا ہو۔ ظاہر ہے کہ ایک طرف ان کی ناسمجھی، دوسری طرف بھیڑیوں سے ان کی حفاظت کی ذمہ داری اس پر ان کے بقاءِ حیات کے لئے ایسے محل میں خورد و نوش کا انتظام کرنا یہ کتنی دردسری، کتنی دردمندی اور کتنے نظم و ہوشیاری کا محتاج ہوگا اس لئے انبیاء علیہم السلام کو انسانوں کے حوالے کرنے سے قبل تھوڑی سی ٹریننگ حیوانات سے شروع کی جاتی ہے تاکہ وہ ان ذمہ داریوں کا بار اٹھانے کے پہلے سے خوگر ہو جائیں۔ وہ اپنی امّت کو محرمات کی چراگاہوں سے بچا بچا کر حلال کے میدانوں میں لے جائیں اور جو ان سے بھاگ کر محرمات میں منہ ڈالنے کا ارادہ رکھتا ہو اس کو پکڑ پکڑ کر کھینچ لیں۔

۲۔ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رض قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَثَلِیْ كَمَثَلِ رَجُلٍ اسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّا اَضَاءَتْ مَا حَوْلَهَا جَعَلَ الْفَرَاشُ وَهٰذِهِ الدَّوَابُّ الَّتِیْ تَقَعُ فِی النَّارِ یَقَعْنَ فِیْهِ وَ جَعَلَ یَحْجُزُهُنَّ وَیَغْلِبْنَهٗ فَیَتَقَحَّمْنَ فِیْهَا فَاَنَا اٰخُذُ بِحُجَزِكُمْ عَنِ النَّارِ وَ اَنْتُمْ تَقَحَّمُوْنَ فِیْهَا هٰذِهٖ رِوَایَةُ الْبُخَارِیِّ وَ لِمُسْلِمٍ نَحْوُهَا وَقَالَ فِیْ اٰخِرِهَا قَالَ فَذٰلِكَ مَثَلِیْ وَمَثَلُكُمْ اَنَا اٰخِذٌ بِحُجَزِكُمْ عَنِ النَّارِ هَلُمَّ عَنِ النَّارِ هَلُمَّ عَنِ النَّارِ فَتَغْلِبُوْنِیْ تَقَحَّمُوْنَ فِیْهَا۔ (متفق علیہ)

ترجمہ:۔ ابوہریرہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ہے میری مثل اس شخص کی سی ہے جس نے آگ روشن کی جب اس نے اردگرد کو خوب روشن کر دیا تو پروانے اور یہ کیڑے جو آگ میں گرا کرتے ہیں اس میں گرنے لگے وہ ہے کہ انہیں روک رہا ہے' یہ ہیں کہ اسے عاجز کر کے اس میں گھُسے جا رہے ہیں۔ اسی طرح مَیں بھی ہوں کہ تمہاری کمر پکڑ پکڑ کر تمہیں دوزخ سے بچا رہا ہوں اور تم ہو کہ اس میں گھُسے جاتے ہو۔ یہ روایت بخاری کی ہے اور مسلم نے بھی اسی کے ہم معنی روایت کی ہے۔ اس کے آخر میں یہ لفظ ہیں کہ میری اور تمہاری مثل یہ ہے میں تمہاری کمر پکڑے ہوئے (کہہ رہا) ہوں دوزخ سے بچو، دوزخ سے بچو، تم مجھے عاجز کر کے اس میں گھُسے جاتے ہو۔ (یہ حدیث متفق علیہ ہے)

تشریح:۔ دنیا کے ناسمجھ انسانوں اور رسول خداؐ کی انتہائی محبّت و خیرخواہی کا جو نقشہ اس مثال میں کھینچا گیا ہے اس سے زیادہ سچے اور مؤثر انداز میں کھینچنا ناممکن ہے۔ نہ پروانہ کو انجام کا ہوش ہوتا ہے نہ آج دنیائے کفر کو فردائے قیامت کا فکر ہے۔ بے رحمی و نادانی سے ان جان قربان کرنے والوں پر سب سے زیادہ رحم کھانے والا پکار رہا ہے کہ تم آگ میں جا رہے ہو۔ کوئی نصیب والا ہوگا جو اس کی آواز سُنے گا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

هفت روزہ خدّام الدّین لاہور

فون ۶۷۵۴۵

شرح چندہ

پاکستان و ہندوستان
سالانہ :- گیارہ روپے
ششماہی :- چھ روپے
سہ ماہی :- تین روپے
فی پرچہ :- ۲۵ پیسے

سعودی عرب، کویت، ایران، افریقہ۔ ملایا۔ ہانگ کانگ۔ انگلینڈ
:- سالانہ :-
عام ڈاک سے :- ۷۸ء۱۸ روپے
ہوائی ڈاک سے :- ۵۴ روپے

امریکہ :- عام ڈاک سے ۲۴ روپے ہوائی ڈاک سے ۸۰ء۳۲ روپے
بیرونی ممالک کیلئے چھ ماہ سے کم میعاد کے لئے پرچہ جاری کیا جائے گا۔

جلد ۸ | ربیع الاوّل ۱۳۸۲ھ مطابق ۱۳ اگست ۱۹۶۲ء | شمارہ ۱۳

مُلک میں اضطراب

قابلِ توجّہ صدرِ پاکستان

ملکی انقلابات میں خوشی کے دو دن ضرور آئے مگر نتیجہ چار دن کی چاندنی پھر اندھیری رات کے سوا کچھ نہ رہا—— پہلا یومِ مسرت وہ تھا جب پاکستانی افواج نے سکندر مرزا جیسے خود غرض، شاطر، متعصب، اسلام دشمن شخص کی ڈکٹیٹر شپ ختم کرکے اسے اس کے روحانی مرکز لنڈن کی طرف چلتا کیا

رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گذشت

حسّاس پاکستانیوں اور دیندار مسلمانوں کو خوشی تھی۔ کہ اب یہ ملک نہ برطانیہ کا دم چھلّا رہے گا نہ ایرانی وفاق میں شمولیّت کے خواب دیکھے گا۔ نہ ختمِ نبوّت کے نام لیواؤں کا قتلِ عام ہوگا۔ اور نہ ناموسِ رسالتؐ کے پاسبان کشتۂ تیغِ ستم ہوں گے۔ رہ گئیں بدعنوانیاں تو دنیا میں بہت کم افراد ان سے مبرا ہوں گے۔ انسان بہرحال خطا کا پُتلا ہے۔ برسرِ اقتدار افراد اگر غلطیاں کریں گے، ان کو ٹوک دیا جائے گا۔ ان کی اصلاح کی پوری کوشش کی جائے گی۔ اور پھر ان سے پہلے بھی کون سے فرشتے حکمران تھے کہ انہوں نے ملک کی عظمت کو چار چاند لگا دئیے اور مسلمانوں کو تباہی کی دلدل سے نکال باہر کیا تھا۔ بہرحال اسکندر مرزا سے ملک کی تطہیر ایک عظیم کارنامہ تھا۔ لیکن افسوس ہے کہ اس تطہیر سے جو توقعات پیدا ہوئی تھیں۔ وہ پوری نہیں ہو سکیں۔

ابتداء میں فوجی حکومت کے ڈر سے شاطر اور عیّار عناصر دبے رہے۔ رشوت خور اور بدقماش لوگ سر چھپانے لگے۔ افسر گھبرائے ہوئے تھے اور ان کے رویّے میں کافی تبدیلی رونما ہو چکی تھی لیکن جوں جوں وقت گذرتا گیا اقتدار کی گرفت ڈھیلی ہوتی گئی۔ اور ملک و ملّت دشمن عناصر نے نئے سرے سے کل پُرزے نکالنے شروع کر دئیے۔ انہوں نے دوبارہ سر اٹھایا اور شرارتوں اور ریشہ دوانیوں کے نئے نئے حربے اور طریقے ایجاد کر لئے—— افسروں کی آتشِ انتقام اور ہوس کی آگ بھڑک اٹھی۔ اور انہوں نے مارشل لاء کے ڈنڈے کی آڑ لے کر مختلف بہانوں اور حیلہ سازیوں سے عوام کو مبتلائے آلام کر دیا۔ رشوت خوروں کا نرخ دس بیس روپے سے بڑھ کر ہزاروں تک جا پہنچا—— اور چونکہ مارشل لار کے دوران ظلم کے خلاف آواز اٹھانا بھی بجائے خود اپنی جان پر ایک ظلم تھا۔ اس لئے لوگ تنگ آ گئے۔ ناک میں دم آ گیا۔ اور وہ دعائیں کرنے لگے کہ مارشل لاء کی رات ختم ہو۔ اور کم از کم آزادیٔ تقریر و تحریر کی صبح نمودار ہو۔

خدا خدا کرکے صدر محترم نے مارشل لاء کے خاتمے اور پارلیمانی نظام کی بحالی کا اعلان کیا۔ انتخابات ہوئے، اسمبلیاں بنیں، وزارتیں مرتّب ہوئیں۔ اور ۸ رجون ۱۹۶۲ء کو خوشی کا دوسرا دن طلوع ہوا—— مگر یہ خوشی بھی چند روزہ ثابت ہوئی اور آپ کے سامنے ہے کہ قومی اسمبلی کے مقتدر ارکان آج کل برملا طور پر کہہ رہے ہیں کہ حالات پہلے سے بھی بدتر ہو گئے ہیں—— انا للہ و انا الیہ راجعون۔

پاکستان کا ہر بہی خواہ سوچ میں ہے کہ ملک کا کیا بنے گا؟ کوئی آئین میں ترمیم چاہتا ہے اور کوئی اس کی تنسیخ کا راگ الاپ رہا ہے۔ بعض ممبرانِ اسمبلی موجودہ اعزاز پر قانع ہیں اور بعض دوبارہ انتخابات کرانے کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ سیاسی قیدیوں کی آزادی کے نعرے لگانے والوں کی بھی کمی نہیں اور عبدالقیوم خاں کے لئے سزائے موت تجویز کرنے والے بھی موجود ہیں۔ کچھ ایبڈو زدہ افراد سے ملکی سیاسیات میں کام لینے کے خواہاں ہیں اور اکثر ایسے بھی ہیں جو انہیں ملک و قوم کے جسم پر رِستا ہوا ناسور سمجھتے ہیں۔ کوئی اس نظام کا تجربہ کرنا پسند کرتے ہیں اور کوئی اس کی فوری تبدیلی کے حق میں ہیں۔ غرضیکہ بھانت بھانت کی بولیاں ہیں۔ ہر شخص اپنی اپنی ڈفلی بجا رہا ہے—— وزارتوں کے وہی جھگڑے ہیں۔ وہی جوڑ توڑ جنم لے رہے ہیں، وہی جماعتی عصبیّتیں پھر سے جاگ اٹھی ہیں۔ جو مارشل لار کے نفاذ کا باعث بنی تھیں۔

صدر محترم کے بارے میں ان کی غلطیوں اور فروگذاشتوں کے باوجود یہ ماننا پڑتا ہے کہ وہ ملک میں امن و اتحاد کے حامی ہیں۔ وہ ہر مخالف تحریک پر غور کرتے ہیں اور کچھ بھی گنجائش دیکھیں تو ضد اور جھوٹے وقار کا خیال کئے بغیر قانون میں لچک پیدا کرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔

عائلی قوانین کے سلسلے میں ان کے الفاظ کافی حوصلہ افزا تھے کہ یہ کوئی وحیٔ الٰہی نہیں اور نہ آسمانی قانون ہے کہ اسے کوئی بدل ہی نہ سکے۔ یہ انسانوں کا بنایا ہوا دستور ہے اور قومی اسمبلی چاہے تو اس میں ترئیم کر سکتی ہے—— انہوں نے یہ بات بھی منظور کر لی کہ وزراء اسمبلی کے ممبر رہ سکیں گے۔ اور اب انہوں نے بالغ حقِ رائے دہندگی پر غور کرنے کے لئے کمیشن مقرر کرنے کا فیصلہ بھی کر لیا ہے۔ خدا کرے اسلامی کونسل کے بارے میں بھی وہ عوام کے جذبات کا احترام کریں اسلام سے وفاداری کا ثبوت دیں اور علماء ہی میں سے نمائندوں کا انتخاب کریں۔ تاکہ کسی طرح ملک کا اضطراب دور ہو۔ سکون و عافیت کا دوَر دوَرہ ہو اور دین و وطن کا نخلِ امید پھلے پھولے—— ہم آئے دن کی تبدیلیوں کے حق میں نہیں لیکن اصلاح بہرحال ضرور چاہتے ہیں۔

آخر میں ہم صدر محترم سے درخواست کرتے ہیں کہ عائلی قوانین اور اسلامی کونسل کے انتخابات کی وجہ سے جو اضطراب ملک و قوم میں پایا جاتا ہے اسے بیک جنبش قلم ختم کر دیں۔ آپ کو کیا پڑی ہے۔ کہ

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

مجلسِ ذکر منعقدہ جمعرات ۲۳ صفر المظفر ۱۳۸۲ھ مطابق ۲۶ رجولائی ۱۹۶۲ء

جانشینِ شیخ التفسیرؒ حضرت مولانا عبید اللہ انور مد ظلہٗ العالی نے مجلسِ ذکر کے بعد حسبِ ذیل تقریر ارشاد فرمائی:۔ (نظر)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ؕ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیۡنَ اصۡطَفٰی ۔ اَمَّا بَعۡدُ

اخلاقِ حسنہ

بزرگانِ محترم! اللہ کا لاکھ لاکھ شکر اور اس کا خصوصی احسان ہے کہ اس نے ہماری جماعت کو اپنے خاص فضل وکرم سے اپنا نام لینے کی توفیق دے رکھی ہے جمعرات کو مجلسِ ذکر میں مختلف احباب کی شمولیت بھی محض اسی غرض سے ہوتی ہے۔ کوئی پشاور سے آتا ہے، کوئی منٹگمری سے آتا ہے، کوئی کراچی سے لاہور کا رُخ کرتا ہے اور کوئی ملتان سے۔ یہ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سیالکوٹ سے تشریف لائے ہوئے ہیں۔ اور حکیم عزیز الرحمٰن جہلم سے اکثر تشریف لاتے ہیں۔ آخر ان کے یہاں آنے کا مقصد اس کے سوا اور کیا ہے کہ اللہ راضی ہو۔ اور ہمیں اس کے پیارے رسول اور آمنہ کے لال محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق نصیب ہو جائے۔

خوش نصیب ہیں وہ انسان جو اللہ کے دروازے پر اُس کی رضا کی خاطر اور اسے یاد کرنے کی خاطر حاضری دیتے ہیں۔ اور بدقسمت ہیں وہ لوگ جو شیطان کے بھانسے میں آکر خدا کے گھر یعنی مسجدوں سے راہِ فرار اختیار کر کے سینماؤں کو آباد کرتے ہیں۔ اللّٰھم لا تجعلنا منھم۔ آمین!

برادرانِ عزیز! آج کل دنیا بڑی تیزی سے ہلاکت اور تباہی کی طرف دوڑ رہی ہے۔ اخلاقی اور روحانی قدریں پامال کی جا رہی ہیں، کفر، ضلالت اور معاصی کا دَور دورہ ہے ــــ روحانی امراض کا کوڑھ بُری طرح لوگوں کو کھائے جا رہا ہے۔ ایسے حالات میں ہمارا یادِ الٰہی کے لئے مل بیٹھنا، آخرت کی فکر کرنا اور عاقبت سنوارنے کے لئے سوچ بچار کرنا محض فضلِ ایزدی ہے۔ اُس کا انعام ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ ہمیں اپنے انعاماتِ خصوصی سے نوازتا رہے۔ اور اپنی یاد کی توفیق سے بہرہ ور رکھے۔ آمین!

محترم حضرات! ہر جمعرات اس مجلس میں حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کا اتباع کرتے ہوئے کچھ نہ کچھ معروضات روحانی امراض کے علاج کے سلسلے میں، معاشرے کی خرابیوں کی اصلاح کی غرض سے اور اسلامی اخلاق وعادات پیدا کرنے کے لئے پیش کی جاتی ہیں۔ آج میں اخلاق کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک صحابی نے عرض کیا "یا رسول اللہ! دین کیا ہے؟" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اخلاق" صحابی نے دوبارہ اور پھر سہ بارہ عرض کیا "یا رسول اللہ! دین کیا ہے؟" آپ نے ہر بار یہی جواب دیا۔ "اخلاق"۔

اس سے معلوم ہُوا اخلاق کا نام ہی دین ہے۔ اگر انسان بااخلاق نہ ہوگا تو اس کا دین سے کوئی واسطہ نہیں ہوگا حضور علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے:۔

اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ وَمَحَاسِنَ الْاَعْمَالِ

مَیں بزرگ ترین اخلاق اور نیکوترین اعمال کی تکمیل کے لئے ہی بنایا گیا ہوں

ایک دوسری حدیث میں ہے:۔

اَلْبِرُّ حُسْنُ الْخُلُقِ ــــ اچھے خلق ہی کا نام نیکی ہے۔

ترمذی شریف میں ابو داؤد نے ابو الدرداءؓ سے روایت کیا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

مَا مِنْ شَیْءٍ اَثْقَلُ فِیْ مِیْزَانِ الْمُؤْمِنِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ مِنْ خُلُقٍ حَسَنٍ وَاِنَّ اللّٰہَ لَیُبْغِضُ الْفَاحِشَ الْبَذِیَّ ـــ قیامت کے دن مومن کے ترازو میں سب سے زیادہ وزن دار شے اچھا خُلق ہوگا۔ اس سے بڑھ کر اور کوئی شے بھاری نہ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک بے حیا، بدزبان سے بُغض رکھتا ہے

عبداللہ بن عمروؓ نے حضورؐ سے روایت فرمائی ہے:۔

اِنَّ مِنْ خِیَارِکُمْ اَحْسَنَکُمْ اَخْلَاقًا۔ (تم میں سب سے اچھے وہ لوگ ہیں جن کے اخلاق اچھے ہیں۔)

حدیث شریف میں آتا ہے:۔

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَکْمَلُ الْمُؤْمِنِیْنَ اِیْمَانًا اَحْسَنُھُمْ خُلُقًا

(رواہ ابوداؤد)

ترجمہ:۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ایمان والوں میں زیادہ کامل ایمان والے وہ لوگ ہیں جو اخلاق میں زیادہ اچھے ہیں۔

ترمذی شریف میں حضرت جابر سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اِنَّ مِنْ اَحَبِّکُمْ اِلَیَّ وَاَقْرَبِکُمْ مِنِّیْ مَجْلِسًا یَوْمَ الْقِیَامَۃِ اَحَاسِنَکُمْ اَخْلَاقًا۔

ترجمہ:۔ قیامت کے دن تم میں سے وہ شخص مجھے پیارا اور میرے دربار میں مجھ سے قریب تر ہوگا۔ جو اچھے اخلاق والا ہے۔

ان احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صاف ثابت ہو جاتا ہے۔ کہ اخلاقِ حسنہ کا کیا مقام ہے اور تکمیلِ ایمان، قربِ رسولؐ اور پسندیدگی مالک کے مدارج میں اس کا کیا دخل ہے۔

برادرانِ عزیز! اخلاقِ حسنہ کے سلسلے میں یہ جاننا ضروری ہے کہ اس کا تعلق انسان کی خود اپنی ذات سے بھی ہے اور ابنائے جنس اور ربّ العالمین کے ساتھ بھی ہے۔

خود اپنی ذات کے متعلق یہ ہے کہ اپنے آپ کو ناقص سمجھے اور سمجھ لے کہ ناقص کے افعال بھی ناقص ہوتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ روحانی بیماریاں کبر، عُجب، حسد وغیرہ اس سے دُور بھاگیں گی اور وہ انسان تہذیبِ اخلاق میں ہمیشہ کوشاں رہے گا۔

(باقی ص۱۷ پر)

خطبہ یوم الجمعہ ۲۴ ر صفر المظفر ۱۳۸۲ھ مطابق ۲۷ر جولائی ۱۹۶۲ء

از جانشینِ شیخ التفسیرؒ حضرت مولانا عبید اللہ انور مدظلہٗ العالی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی ـــ اَمَّا بَعْدُ

کامیابی کے زرّیں اصول

وَالْعَصْرِ ۙ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۙ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝

ترجمہ :- زمانہ کی قسم ہے بیشک انسان گھاٹے میں ہے مگر جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کئے اور حق پر قائم رہنے کی اور صبر کرنے کی آپس میں وصیّت کرتے رہے۔

شہادتِ زمانہ

زمانہ کی قسم سے مراد گردش زمانہ کو شاہد بنانا ہے۔ چنانچہ قرآن عزیز کہتا ہے گردشِ زمانہ گواہ ہے کہ ہر جماعت خسارہ میں گھری ہوئی ہے۔ ٹوٹے میں ہے۔ مگر وہی جو یہ چار اصول اپنائیں :-

۱- ایمان لائیں (۲) عمل صالح کریں (۳) حق و صداقت کا اعلان کرتے رہیں۔ (۴) اور صبر کی بھی تلقین کریں۔

زمانہ اس لئے گواہ ہے کہ اس آسمان کے نیچے قوموں کی تباہی و بربادی اور کامیابی و فلاح جو کچھ بھی ہوتا رہا ہے وہ اس کا نظارا کرنے والا ہی نہیں بلکہ سب کچھ اس کی گود میں ہوا ہے۔ اس لئے انقلاب امم پر اگر کوئی چیز گواہ ہو سکتی تھی تو وہ صرف گردشِ ایام اور اس کی رفتار تھی ـــ تو یہاں فرمایا گیا۔ زمانہ اور اس کی گردش و رفتار گواہ ہے کہ نوعِ انسانی اس وقت تک گھاٹے اور ٹوٹے میں ہے جب تک وہ ان اصولِ چہارگانہ کی اتباع نہ کرے ـــ ہر جماعت اور ہر شخص خسارے میں رہے گا جو ان چار دفعات پر عمل پیرا نہ ہو ـــ پس قرآن اعلان کرتا ہے کہ پہلی شرط جو کامیاب و کامران کرنے والی اور خسران و نامرادی کو دُور کرنے والی ہے۔ وہ ایمان ہے۔

الذین اٰمنوا ـــ جو لوگ ایمان لائے

برادرانِ اسلام ! آپ تاریخِ اقوامِ عالم پر نگاہ ڈالئے اس کی سیر کیجئے۔ اور نتیجہ نکالئے تو یہی حقیقت نظروں کے سامنے آئے گی کہ قوموں کے تصادم و کش مکش اور حق و باطل کی معرکہ آرائی میں فتح ہمیشہ ایمان و یقین کی ہوئی ہے اصولِ صحیحہ اور انبیاء کی الہامی تعلیمات پر عمل کرنے والی اقوام ہمیشہ کامیاب و کامران اور سربلند و سرافراز رہی ہیں اور اس کے خلاف کرنے والی قومیں محرومی و بے مرادی کے تاریک غاروں میں بھٹک بھٹک کر صفحۂ ہستی سے ناپید ہوتی ہیں۔

ایمان

خدا اور رسولؐ پر ایمان لانا یہ ہے۔ کہ انسان ان کی ہدایات اور وعدوں پر خواہ وہ دنیا سے متعلق ہوں یا آخرت سے یقینِ کامل رکھے۔ اور ان پر عمل کرنے کے لئے دل کو تیار کرے۔

عربی زبان میں ایمان کے معنی زوالِ شک کے ہیں۔ یعنی کامل درجہ کا اقرار اور کامل درجہ کا بھروسہ دل میں پیدا ہو جائے اور شک کے تمام کانٹے دل و دماغ سے یکسر نکل جائیں۔

برادرانِ اسلام ! تم جبھی کامیابی سے ہمکنار ہو سکتے ہو جب تمہارے دلوں کے اندر اور روح و فکر میں یہ چیز پیدا ہو جائے، بس جائے۔ جسے قرآن کی بولی میں ایمان کہتے ہیں اور جس کی وضاحت ہو چکی ہے۔

پس اے برادرانِ عزیز ! قلوب میں ایمان، اطمینان، یقین، جماؤ اور تمکن و اقرار کے نہ بجھنے والے قمقموں کا روشن ہو جانا کامیابی کی پہلی منزل ہے ـــ اگر اسی میں قدم ڈگمگا گئے تو کامیابی کی ہوا بھی نصیب نہیں ہو گی اور شک کا روگ دنیا کی چھوٹی سے چھوٹی کامیابی سے بھی تمہیں محروم کر کے رکھ دے گا۔ ایمان و یقین کی قندیل روشن کرو۔ امید کا چراغ ہاتھ میں لے کر نکلو اور نصرت الٰہی کا تجربہ کرو ـــ کیونکہ اس کا ارشاد گرامی ہے :-

وَلَا تَہِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ۔

ترجمہ :- ہمّت نہ ہارو اور نہ غمگین و آزردہ خاطر ہو۔ یقین کرو کہ اگر تم سچّے مومن ہو تو آخرکار تمہارا ہی بول بالا ہے۔

خوش نصیب ہیں وہ لوگ اور وہ قومیں کہ جن کے دلوں کے اندر امید و یقین کا چراغ روشن ہوتا ہے۔ وہ جہاں کہیں جاتے ہیں اقبال و فیروزمندی کی روشنی ان کا استقبال کرتی ہے۔ اور منزلیں خود آگے بڑھ کر ان کے قدم لیتی ہیں ـــ بدنصیب ہیں وُہ لوگ اور قومیں کہ جن کے دامنِ حیات میں امید کے پھولوں کی جگہ یاس کے کانٹے آتے ہیں، ان کے لئے کارزارِ ہستی ماتم کدہ بنا ہُوا ہے اور صحراؤں کے بھٹ اور پہاڑوں کے غاروں میں بھی ان کے لئے کوئی گوشۂ عافیت نہیں ؎

ما خانہ رسیدگان ظلمیم
پیغامِ خوش از یار ما نیست

وعدۂ خداوندی ہے کہ ایمان والے سربلند و سرافراز رہیں گے۔ اللہ ان کا حامی و ناصر ہوگا اور انہیں کفر کے اندھیروں سے نورِ حق کے اجالے میں لا کھڑا کرے گا۔

اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُھُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ ط

ترجمہ :- اللہ ان کا حامی ہے جو ایمان لائے۔ ان کو اندھیرے سے اجالے کی طرف نکالتا ہے۔

اللہ تعالےٰ ہمیں ایمان کی دولت سے مالا مال کرے کہ آج کل کی تمام خرابیاں اور مسلمانوں کی ذلّت و خواری ایمانِ کامل کے فقدان کا نتیجہ ہے

عمل صالح

اے برادرانِ عزیز ! ثابت ہُوا کہ کامیابی و فیروزمندی کے لئے ایمان اساس کی حیثیت رکھتا ہے اور اسی بنیاد پر ترقی و اقبال مندی کی عمارت اٹھائی جا سکتی ہے۔ لیکن کیا حصولِ مقصد کے

لیئے دل کا یہ یقین، دماغ کا یہ فعل اور تصور کا یہ نقشہ ہی کافی ہے۔ اور منزلِ مقصود تک پہنچنے کے لیئے اور کچھ نہیں کرنا؟ کیا اسی سے کامیابی حاصل ہو جائے گی؟ فرمایا نہیں۔ فقط علوم صحیحہ یا ایمان و یقین کا حامل ہونا کامیابی و بامرادی کا کفیل نہیں۔ بلکہ ان اصولوں کو عملی جامہ پہنانا بھی لازمی ہے۔ جسے قرآن کی زبان میں عملِ صالح کا نام دیا گیا ہے۔

پس اگر ایمان و یقین کا اثر قلب و دماغ تک محدود رہے۔ روح اس سے آزاد ہو اور اس کی عملی زندگی اس کے ایمانِ قلبی کی آئینہ دار نہ ہو تو یہ ایمان کامیابی کی منازل سے ہمکنار نہیں کرا سکتا۔ چنانچہ اگر دو قومیں بر سرِ پیکار ہوں ترقی کی دوڑ میں ایک دوسرے سے آگے نکل جانا چاہتی ہوں تو کامیابی یقیناً اس قوم کی ہوگی جو ایمانِ کامل اور علوم صحیحہ کے ساتھ ساتھ عملِ صالح کی خوگر ہو، پُرحکمت اصولوں پر گامزن ہو — ہاتھ پاؤں توڑ کر بیکاری کے نشے میں مست قومیں ہمیشہ نامراد و ناکام رہتی ہیں۔

یاد رکھو۔ خدا کا قانون اٹل ہے:۔
اِنَّ الْاَرْضَ یَرِثُهَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ
ترجمہ:۔ کہ زمین کے وارث نیک بندے ہوتے ہیں۔ (یعنی جماعتوں اور قوموں کے لئے یہ قانون کام کر رہا ہے کہ انہی لوگوں کے حصّہ ملک کی فرمانروائی آئی ہے جو نیک ہوتے ہیں اور صالح ہوتے ہیں۔

حق وصداقت کا اعلان

برادرانِ عزیز! آپ میں سے ہر فرد قومی زنجیر کی ایک کڑی ہے۔ اور دونوں مذکورۃ الصدر اصول ایک فرد یا کڑی کی ظاہر و باطن کی درستگی کے لئے ہیں۔

تو کیا ایک کڑی کی درستگی سے ساری زنجیر کا کام پورا ہو جایا کرتا ہے؟ اور ایک فرد کی اصلاح سے ساری قوم سدھر جاتی ہے؟ اگر ایسا نہیں ہے اور یقیناً نہیں ہے تو اپنی انفرادی صلاح و فلاح پر قناعت نہ کرو بلکہ قوم و ملّت کے اجتماعی مفاد کو پیشِ نظر رکھو۔ جب دو مسلمان آپس میں ملو تو ایک دوسرے کو اپنے قول و فعل سے سچے دین اور ہر معاملہ میں سچائی اختیار کرنے کی تاکید کرتے رہا کرو۔

قرآن عزیز نے اجتماعیّت کی تعلیم دی ہے۔ اور اسی لئے شارعِ اسلامؐ نے اسلام اور اسلامی زندگی کا دوسرا نام 'جماعت' رکھا ہے۔ اور جماعت سے علیحدگی کو جاہلیّت اور حیاتِ جاہلی سے تعبیر کیا ہے

من فاروق الجماعة فمات فميتة جاهلية۔ وغیر ذالك

اسلام کے نزدیک زندگی تو فقط جماعتی زندگی ہے۔ انفراد، انتشار اور فرقت ہر حال میں بربادی و ہلاکت ہے۔

سورۂ فاتحہ میں پڑھی جانے والی دعا جو ہر ہر مومن تلاوت کرتا ہے اس میں بھی جمع کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے نہ کہ واحد متکلم کا۔ اهدنا الصراط المستقيم۔ (اے اللہ ہمیں چلا راہ سیدھی) یہ نہیں فرمایا — اهدنی — مجھے چلا۔

پس قرآن کے نزدیک فرد کی ہستی کوئی شے نہیں ہستی صرف اجتماع اور جماعت کی ہے — اور فرد کا وجود اور اعمال بھی صرف اسی لئے ہیں تاکہ ان کے اجتماع و تالیف سے ہیئتِ اجتماعیہ پیدا ہو۔ چنانچہ اسی لئے اس دعا کو ہمارے بزرگوں نے ایمان اور خلاصۂ قرآن اور عصارۂ اسلام کے نام سے موسوم کیا ہے۔

تو قرآن وجود مانتا ہے اجتماع کا نہ کہ انفراد کا — اس کے نزدیک وجود کڑیوں کا نہیں ہے بلکہ زنجیر کا ہے۔ اگر ہر کڑی دوسری کڑی سے مربوط نہ ہوگی اور پھر ہر کڑی اپنی جگہ مضبوط نہ ہوگی تو زنجیر مضبوط نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح قوم کے افراد اگر مضبوط نہ ہوں اور پھر ان کا آپس میں ربط نہ ہو تو نہ قوم طاقتور کہلا سکتی ہے نہ ایسی ملّت کبھی کامیابی کا منہ دیکھ سکتی ہے۔ اور خود فرد کا وجود بھی قائم نہیں رہ سکتا چونکہ فرد کی زندگی بھی ملّت کے ساتھ ربط میں ہے۔ علامہ اقبالؒ نے اسی حقیقت کو شعر میں یوں بیان کیا ہے

فرد قائم ربطِ ملّت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں

چنانچہ اسی لئے قرآن نے آپس میں اتباعِ حق کی وصیّت اور تبلیغ کو حیاتِ اسلامی میں بڑی اہمیت دی ہے — شارعِ اسلامؐ نے اسے ہر مومن مسلم پر فرض ٹھہرایا ہے اور یہاں تک فرما دیا:۔

بلغوا عنى ولو اية

اگر تمہارے پاس ایک آیت بھی ہے تو دوسرے تک پہنچا دو۔ پیغامِ اسلام کو عام کر دو اور دنیا کے کونے کونے میں اسلام کی آواز کو پھیلا دو۔

بقائے تحریک کا گُر

برادرانِ عزیز! تبلیغ اور حق وصداقت کا اعلانِ عام کامیابی کے بقاء کے لئے نہایت ضروری ہے — حضرت شیخ التفسیر رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:۔

"جہاں دنیا میں آمد و رفت کا سلسلہ جاری ہے کوئی تحریک اس دارِ فانی میں کبھی بھی زندہ نہیں رہ سکتی۔ جب تک اس کے بانی اور چلانے والے اپنے حلقۂ اثر کے وسیع کرنے کی کوشش نہ کریں۔ تاکہ ان کے معاونین اور ہمخیالوں کا حلقہ اس قدر وسیع ہو جائے کہ جس وقت وہ لوگ پیغامِ اجل کو لبیک کہیں تو اس تحریک کو دوسرے لوگ فوراً سنبھال لیں۔ علیٰ ہذا القیاس جب تک یہ سعیِ بلیغ ہر نسل کے لوگ جاری رکھیں گے۔ وہ تحریک زندہ، بامراد اور کامیاب رہے گی"۔

صبر کی تلقین

صبر اور اعلانِ حق کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ یہ ہو نہیں سکتا۔ کہ کوئی آدمی اعلانِ حق کرے اور اسے مشکلات کا سامنا نہ کرنا پڑے، قربانی و ایثار کا مرحلہ پیش نہ آئے، مصائب و آلام سے اسے گذرنا نہ پڑے۔ چنانچہ صبر کو بھی اس سلسلے کی اہم کڑی قرار دیا گیا۔ اور فرمایا گیا ہر ایک کو دوسرے کی یہ نصیحت اور وصیّت رہے کہ حق کے معاملہ میں اور شخصی و قومی اصلاح کے راستے میں جس قدر سختیاں اور دشواریاں پیش آئیں یا خلافِ طبع امور کا تحمّل کرنا پڑے پورے صبر و استقامت سے تحمّل کریں ہرگز قدم نیکی کے راستے سے ڈگمگانے نہ پائے۔

مجاہدِ ملت امیرِ شریعت حضرت مولانا سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ صبر کے معنی یہ نہیں ہیں کہ آدمی مصائب و مشکلات کو جھیل کر آرام سے بیٹھ جائے بلکہ یہ ہے کہ وہ مصائب اٹھاتا جائے۔ حادثات سے دو چار ہوتا رہے اور آگے بڑھتا جائے۔ جی ہار کر

(باقی ص۱۷ پر)

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری **محمّد طیّب** صاحب مدظلہٗ

کا

فضلائے دیوبند سے خطاب

> ۲۳-۲۴ جون کو "دارالعلوم حقانیہ" اکوڑہ خٹک کا جلسۂ دستاربندی منعقد ہُوا۔ اجلاس اپنی نظیر آپ تھا کہ اس میں دو ہزار سے زائد علماء اور پچاس ہزار مسلمانوں نے شرکت کی۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ العالی کی دعوت پر حضرت قاری صاحب مدظلہٗ نے خطاب عام کے علاوہ "تنظیم فضلائے دیوبند" سے خصوصی خطاب بھی فرمایا۔ چنانچہ یہ تقریر صاحبزادہ مولانا سمیع الحق صاحب کے توسط سے موصول ہوئی ہے — صاحبزادہ صاحب کے علاوہ دو اور حضرات بھی اس کے قلمبند کرنے میں شریک ہیں۔ توقع ہے کہ حضرت حکیم الاسلام کی دوسری تقریر بھی چند دنوں تک ہدیۂ قارئین کی جاسکے گی۔

الحمدُ للہ و کفٰی و سلام علٰی عبادہ الذین اصطفٰی — امّا بعد

بزرگانِ محترم!

دارالعلوم دیوبند جس کا نام آپ کل سے بار بار سن رہے ہیں۔ اور یہ تمام اکابر جو اس وقت یہاں (دارالعلوم حقانیہ کے سالانہ اجلاس میں) آپ حضرات کے سامنے جمع ہیں اُسی دارالعلوم دیوبند کے اجزاء و اعضاء ہیں۔ دارالعلوم کے ارکان ہیں۔ ان ہی حضرات کے اجتماع کا نام دارالعلوم دیوبند ہے۔ خواہ یہ دارالعلوم کے اندر ہوں یا باہر ہوں۔ دارالعلوم دیوبند کا قیام رسمی طور سے عمل میں نہیں آیا۔ کہ چند آدمی شہر کے ذمہ دار حضرات جمع ہوتے اور ایک ادارہ قائم کرنے کا فیصلہ کیا۔ یہ صورت نہ تھی۔ بلکہ صورت یہ تھی کہ انگریزوں کا تسلّط و اقتدار جب ہندوستان میں آیا۔ دنیا کی کس مپرسی کا حال سب کے سامنے آیا۔ تو خدشہ ہُوا کہ اسلام شاید اب باقی رہے یا نہ رہے۔ تو اس وقت جتنے اولیاء اور اکابر تھے۔ یکدم اُن کے قلوب میں وارد ہُوا کہ ایسا کوئی ادارہ ہونا چاہیئے کہ اس کے ذریعہ سے دین اور علمِ دین باقی رہے دین کی حفاظت کی جاسکے کہ اگر یہ باقی رہے تو تمام چیزیں اسلام اور مسلمانوں کی باقی رہ سکتی ہیں۔ اور اگر دین و علمِ دین باقی نہ رہے تو خدانخواستہ مسلمان مسلمان نہ رہ سکیں گے — دین کا بقاء علمِ دین کے بقاء سے ہو سکتا ہے۔ اور اگر یہ باقی رہے اور مسلمانوں کی قوّت و شوکت اگر باقی نہ بھی ہو تو قابلِ اعتناء نہیں — چنانچہ وقت کے تمام اہل اللہ کے قلوب میں وارد ہُوا کہ ایسا ادارہ ضروری ہے جو دین اور علومِ دینیہ کی حفاظت و اشاعت کرے

ایک مجلس میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا گنگوہیؒ وغیرہ اکابر جمع ہوئے۔ دین کے بارہ میں فکر دامنگیر تھی۔ تو کسی نے کہا کہ میرے قلب پر وارد ہُوا ہے کہ مدرسہ قائم ہو۔ کسی نے کہا۔ مجھے الہامی طور سے معلوم ہُوا ہے کہ مدرسہ قائم ہو۔ کسی نے کہا مجھے کشف ہُوا ہے کہ مدرسہ قائم ہونا چاہیئے۔ غرض تمام اولیاء اللہ کا اجماع ہُوا کہ ایک ادارہ قائم ہو۔ تو یہ ایک رسمی صورت نہ تھی بلکہ باطنی اور غیبی صورت تھی، الہامی اور کشفی صورت تھی۔ چنانچہ الہامِ خداوندی کے تحت اس مدرسہ کا قیام عمل میں آیا۔

حضرت مولانا محمد یٰسین صاحب دیوان جی حضرت قاسم العلومؒ کے خادمِ خاص اور معتمد علیہ تھے۔ جب حج کو گئے تو مکہ معظمہ میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہٗ کی خدمت میں جانا ہُوا۔ جو پورے مشائخ کے شیخ اور مرشد طریقت تھے تو رخصت کے وقت عرض کیا کہ ہمارے مدرسہ کے لئے بھی دعا کریں حضرت حاجی صاحب نے یہ سن کر تعجب سے جواب میں فرمایا۔ چہ خوب۔ پیشانیاں تو برسوں ہم نے رگڑیں۔ راتوں بھر سجدے کئے۔ دعائیں ہم نے مانگیں۔ اب جب مدرسہ قائم ہُوا تو مدرسہ آپ کا ہو گیا۔ اور پھر فرمایا۔ کہ ہمارا خیال مدرسہ کے بارے میں تھانہ بھون یا نانوتہ قائم ہونے کا تھا۔ ہمیں کیا خبر تھی کہ دیوبند والے یہ غنیمت لے اڑیں گے تو مدرسۂ دیوبند کا قیام ہنگامی حالات اور مشورہ سے نہیں ہُوا۔ بلکہ اکابر کی گردنیں جھکی ہوئی تھیں۔ سجدے کئے جا رہے تھے۔ راتوں کو دعائیں مانگی جا رہی تھیں۔ حق تعالےٰ نے قبول فرمایا۔ معلوم ہُوا کہ الہام غیبی سے مدرسہ قائم ہُوا۔

اس ادارہ کی عمارت کی سب سے پہلی اینٹ حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحبؒ دارالعلوم کے جلیل القدر استاد کے نانا میاں جی منّے شاہؒ نے رکھی۔ ان کا نام "حسن شاہؒ" تھا۔ ان کے بارے میں حضرت مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ مَیں آج پہلی اینٹ ایک ایسے شخص سے رکھواؤں گا کہ جسے کبھی عمر بھر میں بھی صغیرہ کے درجہ میں گناہ کا تصوّر نہیں ہُوا۔

استغراق اور ربودگی کی یہ کیفیت طاری رہتی کہ اپنی اولاد تک کو نہ پہچانتے۔ ان کے داماد تھے اللہ بندہ نام تھا۔ جب ان کی خدمت میں آتے تو پوچھتے نام بتاؤ۔ تو وہ جواب دیتے۔ "اللہ بندہ" تو فرماتے۔ ارے میاں! میں بھی تو اللہ کا بندہ ہوں۔ تب وہ کہتے آپ کا داماد ہوں۔ دس منٹ بعد پھر وہ استغراق — اور یہ کیفیت استغراق کی جاری رہتی۔ نہایت ہی پاک طینت بزرگ تھے۔ جب انتقال ہُوا اور غسل کے لئے تختے پر لٹائے گئے تو یہ چشم دید واقعہ مولانا محمد یٰسین صاحب جو میرے فارسی کے استاد اور آپ کے پاکستان کے مفتی محمد شفیع صاحب کے والد ماجد تھے۔ انھوں نے خود سنایا کہ تختے پر لٹاتے ہی میاں صاحب کھل کھلا کر ہنسنے لگے۔ شور مچ گیا۔ لوگ دوڑ پڑے۔ جب مجمع زیادہ ہُوا تو ہنسنا بند ہُوا — اس قماش کے لوگ تھے جنہوں نے دارالعلوم کی پہلی اینٹ رکھی۔ پھر حضرت گنگوہیؒ، حضرت نانوتویؒ، حضرت قاضی محمد اسماعیل صاحب منگلوری اور دوسرے اکابر نے بعد میں اینٹ رکھی۔ ظاہر ہے کہ اینٹ

رکھنے والے ایسے اولیاء اللہ اور روحانیت میں ڈوبے ہوئے ایسے لوگ ہوں تو اس مدرسہ کی بنیادیں کتنی مضبوط ہوں گی۔

آج بحمداللہ اس پر سو برس کے قریب زمانہ گذر گیا ہے۔ ہزاروں مصائب آ آ کر ختم ہوئے اور [illegible] مدرسہ ترقی کرتا گیا۔ برابر برابر بڑھتا جا رہا ہے۔ اور آج تک اسی آب و تاب سے قائم ہے۔ یہ ایک رسمی بات ہے کہ فلاں شخص وہاں کا مہتمم ہے، عہدہ دار ہے یا مدرس ہے اور اسے ترقی دیتا ہے۔ یہ غلط ہے اور محض ایک تہمت ہے۔ ترقی دینے والی غیبی طاقتیں ہیں۔ سب کچھ اللہ تبارک و تعالیٰ کرتا ہے۔ میں نے حضرت مولانا حبیب الرحمان صاحبؒ عثمانی سے سنا۔ فرماتے تھے کہ دارالعلوم آدمیوں کو بناتا ہے۔ آدمیوں نے دارالعلوم کو نہیں بنایا۔ یہ ایک کسوٹی ہے اس پر پرکھا جاتا ہے۔

یہاں دارالعلوم کے ہزاروں فضلاء ہیں اور مدارس قائم کئے ہوئے ہیں۔ میں برما گیا تو دارالعلوم کے فیض یافتہ موجود، افغانستان گیا تو سینکڑوں علماء موجود اور قصبہ قصبہ آباد ہیں۔ مدارس قائم کر چکے ہیں۔ یہاں پاکستان میں بھی کثرت سے فضلاء سرگرمی سے اپنے کام میں لگے ہیں۔ ان سب کا رجوع دارالعلوم کی طرف ہے یہ اس ماحول کے آثار ہیں۔ وہاں کی غیبی طاقت ہے کہ سب کا تعلق اور رجوع اس مرکز کی طرف ہے۔ وہاں کے فضلاء کہتے ہیں کہ جب ہم وہاں سے جدا ہوتے تو یوں محسوس ہو رہا تھا کہ گویا ماں کی گود سے جدا ہونے کی حالت ہے۔ گویا ایک جاذبیت ہے، روحانیت ہے، اور دارالعلوم مرکزِ روحانیت بن گیا ہے۔

حضرت مولانا حبیب الرحمان صاحب نے فرمایا کہ یہ جو حدیث میں آتا ہے انّ اللہ یبعث لھذہ الأمة علی رأس کل مأئة سنة من یجدد لھا دینھا

ہر ایک صدی میں کوئی نہ کوئی مجدّد آئے گا جو دین کو نکھارے گا۔ عقائد و اعمال اور کلّیاتِ دین میں لوگ جو فرق و خرابی ڈالیں گے۔ مجدّد ہر صدی میں آ کر دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ الگ کر دے گا۔ تو فرمایا کہ مجدد کے لئے فردِ واحد ہونا شرط نہیں: جماعت بھی مجدّد بن سکتی ہے اور فرمایا کہ دارالعلوم کے بانی حضرات۔ حضرت نانوتویؒ، حضرت گنگوہیؒ اور حضرت حاجی صاحبؒ ان سب کی حیثیت مجدّد کی سی ہے۔ جنہوں نے بدعت و سنت کو الگ الگ کیا۔ دین کو خلط ملط، غلّ و غش سے پاک و صاف کر دیا۔ مسائل میں جو خلا لوگوں نے کیا تھا اسے نکھار نکھار کر پاک و صاف کر کے رکھ دیا۔

یہ ایک کیفیت ہے دارالعلوم کی — مادی چیزوں میں تغیّر اور انتشار ہوتا ہے۔ روحانیت میں قدرتی طور پر اجتماع ہوتا ہے۔ اور دارالعلوم کی بنیاد ہی روحانیت پر ہے۔ مادّہ کا خاصہ ہی تغیّر ہے۔ اور روحانیّت میں ایسا نہیں ہوتا۔ ایک شخص کے مرید، ایک استاد کے شاگرد قدرتی طور پر مجتمع رہتے ہیں۔ آپس میں جڑے رہتے ہیں۔ اسی طرح دارالعلوم کے فضلاء کے قلوب ایک مرکز سے وابستہ ہیں حقیقی محور سے وابستہ ہیں جو اتحاد کا مرکز ہے۔ تو قدرتی طور پر ان کا آپس میں اتحاد قائم ہے۔ میں نے حضرت مولانا حبیب الرحمان صاحب سے سنا کہ حضرت نانوتویؒ جب تک حیات تھے ان کی سرپرستی دارالعلوم کو حاصل تھی تو کیفیت اور حالت یہ تھی۔ کہ لوگ اختلاف کا تصوّر بھی نہیں کر سکتے تھے۔ دلوں میں افتراق کا خیال بھی نہیں آتا تھا۔ اور جب ان کی وفات ہوئی اور دارالعلوم کو حضرت گنگوہیؒ کی سرپرستی حاصل ہوئی۔ تو کچھ اختلافات اٹھتے مگر حضرت گنگوہی کی روحانیت کی وجہ سے ختم ہو جاتے ان کی روحانی طاقت انہیں دبا دیتی۔ اور قوّت مجتمع رہتی۔ پھر ان حضرات کے خلفاء کے زمانے میں مراکز الگ الگ ہوئے۔ مراکز اب خلفاء بن گئے تاہم قوّت مجتمع تھی۔ مریدین آپس میں مجتمع تھے۔ اس وقت سوال پیدا ہوا۔ کہ مراکز کے اختلاف کی وجہ سے رسمی طور سے تنظیم ہونی چاہئے۔ تاکہ رسمی طور پر بھی ایک اتفاق پیدا ہو جائے۔ ایک نظام اور تنظیم کی ضرورت محسوس ہوئی کہ مرکز پر سب متحد رہیں ورنہ مشائخ کے الگ الگ ہونے کی وجہ سے صورتِ اختلاف و تشتت اور ظاہری پراگندگی نمایاں ہو جاتی ہے۔ گو وہ درحقیقت مذموم نہ ہو۔

چنانچہ اس وقت بزرگوں کے دلوں میں وارد ہوا کہ تنظیم ابنائے دارالعلوم دیوبند ہونی چاہئے۔ یہ تنظیم ابنائے قدیم آج کی نہیں زیادہ قوت اس تنظیم میں ابھی چند سال ہوئے کہ پیدا ہوئی — ورنہ مولانا حبیب الرحمان صاحب نے میرے والد ماجد مولانا حافظ محمد احمد صاحب مرحوم کے زمانہ میں جب کہ دارالعلوم ان کے ہاتھ میں تھا اس کی ضرورت محسوس کی تھی۔ مگر زیادہ قوت سے اس کی اہمیّت اب محسوس کی گئی۔ یہ تنظیم کوئی سیاسی تنظیم نہیں۔ نہ سیاسی مقاصد اس کے ساتھ وابستہ ہیں۔ بلکہ اس تنظیم کا مقصد یہ ہے کہ جو کچھ فضلاء دینی، علمی قابلیتوں سے عظیم کام سرانجام دے رہے ہیں ان کو منظم کیا جائے۔ تاکہ کارکردگی زیادہ مؤثر ثابت ہو سکے۔

آج ہزاروں کی تعداد میں دارالعلوم کے فضلاء ہیں۔ فیض یافتہ ہیں جو دین کو سنبھالے ہوئے ہیں۔ مختلف ممالک میں اس کے فضلاء پھیلے ہوئے ہیں۔ جہاں تک مدارس کا تعلق ہے کوئی قصبہ ایسا نہیں جو ان سے خالی ہو۔ ان سو برس میں جتنی خدمت اس ادارہ نے کی کوئی نظیر اس کی دنیا میں نہیں — جہاں تک تصانیف کا تعلق ہے ہزارہا ہزار تصانیف اس جماعت کی مختلف مسائل پر موجود ہیں۔ صرف ایک حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا جائے تو ایک ہزار تصانیف اپنے ترکہ میں چھوڑ گئے ہیں۔ ہر زبان میں تصانیف، ہر علم میں، ہر فن میں، نظم میں، نثر میں ان کی تصانیف موجود ہیں۔ اس کے علاوہ ایک ہزار کے قریب مواعظ الگ چھوڑ گئے ہیں، کچھ چھپ گئے ہیں کچھ باقی ہیں۔ گویا ایک ایک فرد نے ایک ایک امّت کے برابر کام کیا ہے۔

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے مرید و متوسّلین ہزاروں کی تعداد میں ہیں۔ اسی طرح حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ کے ہزارہا شاگرد، مریدین اور متوسلین اطراف و اکنافِ عالم میں پھیلے ہوئے ہیں۔ حضرت تھانویؒ کے مریدین و متوسّلین الگ پھیلے ہوئے ہیں جو اپنے اپنے رنگ میں دین کا کام کر رہے ہیں۔ حدیث، فقہ، فتویٰ، تفسیر، عمل، جہاد۔ ہر میدان میں اس جماعت کے لوگ نمایاں نظر آئیں گے۔ غرض یہ کہ یہ ہزاروں لاکھوں افراد کے ایمان کو سنبھالے ہوئے ہیں — کام سب سے بڑھ کر — خدمت کے میدان میں تمام جماعتوں سے آگے اور زیادہ۔ ہر دیہات میں کوئی نہ کوئی فاضل موجود ہے۔ مگر شہرت نہیں

اخباروں اور رسالوں میں نام نہیں۔ لیکن ہیں ہزاروں کے ایمان کو سنبھالے ہوئے اور خود بھی سنبھلے ہوئے۔

آج آپ کے اکوڑہ خٹک میں حضرت مولانا عبدالحق صاحب سلمہ اللہ تبارک وتعالیٰ ایک ہی شخصیت نے دارالعلوم قائم کیا۔ یہ ہزاروں لوگ علماء و مشائخ جو یہاں (دارالعلوم حقانیہ میں) نظر آرہے ہیں یہ ان کی نہیں بلکہ دارالعلوم دیوبند کی خدمت ہے۔ ایک شخص کے ساتھ ہزاروں لوگوں کا دین وابستہ ہے مگر رسمی طور پر۔ اگر کسی نے کہا کہ دارالعلوم دیوبند نے کیا خدمات سرانجام دی ہیں۔ اس کے فارغین کیا کیا کام کر رہے ہیں تو چونکہ انتشار ہے، تنظیم نہیں ہے، صحیح خدمات آپ نہیں بتلا سکتے۔ اگرچہ خدمتیں بے شمار ہیں۔

فارغین کی تعداد آپ اجمالاً بیس ہزار کہہ سکیں گے مگر یہ معلوم نہ ہوگا کہ ان بیس ہزار علماء و فضلاء نے کیا کام کر دکھایا مؤرخ بھی اجمالاً ذکر کر دے گا مگر تفصیلی طور سے اسے کچھ معلوم نہ ہوگا اور دنیا کو اجمالاً بھی شاید پتہ نہ چل سکے گا۔ لہٰذا اسی مقصد کے لئے ایک فارم تیار کیا گیا ہے۔ جس کی سرخیاں مَیں نے خود لکھی ہیں۔ ہر فاضل اس کی خانہ پُری کرکے بھیج دے۔ اس کی مدتِ فراغت اور کہاں اقامت ہے۔ تصنیف و تالیف سے کیا اور کون سے کام کئے ہیں۔ غرضیکہ جائے سکونت اور بیعت و ارشاد کے بارے میں کئی سوالات اس میں لکھے گئے ہیں۔

الحمد للہ! ڈھائی تین ہزار فارم پُر ہو کر آگئے ہیں اور یہ خدمات اور کارنامے اگر کتابی شکل میں شائع ہو گئے تو معلوم ہو جائے گا کہ ان حضرات نے دنیا کو دین و ایمان سے کس طرح بھر دیا ہے۔ اور ان حضرات کے وعظ و ارشاد اور تعلیم و تبلیغ سے کتنے متکلم، خطیب، شیخِ طریقت، واعظ اور مبلغ تیار ہوئے ہیں۔ اس مقصد کے لئے اب یہ ارادہ کیا جا رہا ہے کہ دارالعلوم سے جو ماہنامہ نکلتا ہے اس کے چار صفحات اسی غرض کے لئے مخصوص کر دیئے جائیں کہ ان میں دارالعلوم کے فضلاء کی خدمات کا ذکر ہو اور سن وار ان کے حالات اور کارنامے ذکر کئے جائیں۔

یہ چیز اگر مرتب ہو گئی تو دین اور علمِ دین اور علماء کی ایک عظیم الشان تاریخ ہو گی۔ دارالعلوم اس چار دیواری کا نام نہیں، اس تمام نظام، مسلک، تحریک اور خدمات کا نام ہے جو ہند و بیرونِ ہند میں قائم ہے۔ مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ مَیں نے مولانا حبیب الرحمٰنؒ سے ذکر کیا کہ بریلی میں ایک مدرس ہیں جو دارالعلوم کے نمایاں فاضل ہیں اسے دارالعلوم میں بلا لیں۔ مولانا خاموش رہے، چپ ہو گئے۔ تین دفعہ عرض کیا گیا۔ پھر عرض کیا کہ آپ کیوں رکاوٹ کرتے ہیں۔ فرمایا ان کو بلانا غلط ہے اس لئے کہ جو فاضل جہاں بیٹھا ہے وہاں دارالعلوم دیوبند قائم ہے۔ اسی طرح گویا ہر شہر اور قصبہ میں دارالعلوم قائم ہے یہ دارالعلوم کی وسعت ہے۔ آپ فاضل کو بلا کر دارالعلوم کے دائرہ کو سمیٹ کر محدود کرنے کے درپے ہیں۔ اور میں سمیٹنا نہیں چاہتا۔ یہ ساری روحانی اولاد اُسی دارالعلوم کی ذریّت ہے۔ کسی کا ایک بچہ رہ جاتا ہے، کسی کے دو کسی کے تین۔ دارالعلوم کے لاکھوں بیٹے ہیں — لاتعداد اولاد ہے اور جائز اولاد ہے۔ ترکہ اور میراث کے وارث ہیں۔ اور یہ ترکہ اخلاق ہیں، اعمال ہیں، علوم ہیں، معارف ہیں۔ جو انبیاء کا ترکہ ہوتا ہے اور اس ترکہ سے ہر ایک کو بقدرِ ظرف حصّہ مِلا ہے۔

حضرت مولانا رفیع الدین صاحبؒ جو دارالعلوم کے مہتمم اور اُمّی محض تھے منقطع عن الخلائق اور صاحبِ کشف و کرامت بزرگ تھے۔ حضرت نانوتویؒ نے بلا کر مجبور کیا دارالعلوم کے اہتمام کے لئے تو فرمایا۔ مَیں تو محض اُمّی ہوں نہ لکھنا جانتا ہوں نہ پڑھنا۔ فرمایا اس کا تعلق لکھنے پڑھنے سے نہیں بلکہ قلب سے اس چیز کا تعلق ہے۔ چنانچہ مولانا اہتمام کے لئے بیٹھ جاتے، جو کچھ لکھواتے لکھ دیا جاتا اور اس پر مولانا کی مُہر لگا لی جاتی تھی۔ بہرحال وہ حضرت نانوتویؒ سے اکثر فرماتے کہ ادارہ بڑا ہے۔ میں اس ذمہ داری کو کس طرح سنبھال سکوں گا۔ اور اتنا تحمّل کس طرح کر سکونگا۔

اب ان کا ایک واقعہ سنئے — حضرت مولانا رفیع الدینؒ کے اہتمام کے زمانے میں دارالعلوم میں پچاس ساٹھ طالب العلم تھے اور چوبیس پچیس طلبہ مطبخ سے کھانا لیتے تھے۔ یہ کل کائنات تھی۔ حضرت مولانا دارالعلوم کے احاطۂ مولسری میں کھڑے تھے۔ کہ طالب العلم شوربا کا پیالہ لایا۔ اور غصّہ سے مولانا کے سامنے پٹک دیا اور کہا کہ یہ سالن ہے یا پانی ہے؟ یہ کھانا مطبخ سے کھلاتے ہو؟ یہ ہے آپ کا اہتمام — بے ادبی کے لفظ بھی استعمال کئے۔ مولانا نے تین مرتبہ سر سے پاؤں تک اس طالب العلم کو دیکھا اور فرمایا۔ کہ یہ مدرسہ کا طالب العلم نہیں۔ لوگوں نے کہا مدرسہ کا طالب العلم ہے، یہاں مقیم ہے مطبخ سے کھانا لیتا ہے — فرمایا — کچھ بھی ہو۔ مدرسہ کا طالب العلم نہیں۔ دو تین دن کے بعد تحقیق سے معلوم ہُوا کہ واقعی مدرسہ کا طالب العلم نہیں تھا۔ اس نام سے دھوکہ دے کر مدرسے سے کھانا لینے داخل ہُوا تھا — طلبہ نے آپ سے پوچھا۔ حضرت آپ کو کس طرح معلوم ہُوا کہ یہ مدرسہ کا طالب العلم نہیں ہے۔ فرمایا کہ جب مدرسہ کا اہتمام میرے سپرد ہُوا تو پریشانی تھی کہ کس طرح یہ کام سنبھالوں گا — اسی عالم میں رات کو خواب دیکھا — چونکہ مولانا صاحب ولی اور عارفِ ربانی تھے اور صاحبِ دل خواب، آدھا خواب اور آدھا کشف ہوتا ہے۔ فرمانے لگے کہ مَیں نے خواب میں مولسری کے کنویں کو دیکھا کہ یہ کنواں دودھ سے بھرا ہُوا ہے اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے من پر بیٹھ کر دودھ تقسیم فرما رہے ہیں۔ کسی کو لوٹا بھر کر دے رہے ہیں، کسی کو دیگ میں، کسی کو بالٹی میں مل رہا ہے، کوئی پیالہ بھر رہا ہے اور جس کے پاس برتن نہیں وہ چلو ہی میں پی کے چلا جا رہا ہے۔ غرضیکہ اپنے اپنے ظرف کے مطابق لوگ دودھ بھر کے لے جا رہے ہیں ہزاروں کی تعداد ہے — آنکھ کھُل گئی تو میں نے تعبیر کے لئے مراقبہ کیا۔ منکشف ہُوا کہ یہ کنواں صورت مثالی ہے دارالعلوم دیوبند کی۔ اور یہ دودھ صورت مثالی ہے علم کی۔ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم صورتِ مثالی ہیں قاسم العلم کی جو تقسیم کر رہے ہیں علم کو — اور یہ لے جانے والے طلبہ ہیں جو بقدر ظرف لیتے جا رہے ہیں۔

اب اس سے زیادہ عجیب بات یہ ہے۔ حضرت مولانا نے فرمایا کہ جب شوال میں داخلہ ہوتا ہے تو مَیں فوراً طلباء کو پہچان لیتا ہوں کہ یہ بھی طلباء

کے اُس مجمع میں موجود تھا یا نہیں۔ اب جب یہ طالب علم آیا تو میں نے تین مرتبہ اوپر سے نیچے تک اس پر نگاہ ڈالی۔ معلوم ہوا کہ یہ اس مجمع میں موجود نہیں تھا۔ الہامی طریقہ سے اس کا علم ہوا ــــ اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ دارالعلوم کے طلباء کا انتخاب بھی خدا کی طرف سے ہوتا ہے اور جہاں بھی یہ کام کرتے ہیں غالب آتے ہیں۔

غلبہ کا ایک واقعہ یاد آیا ــــ مولانا تھانویؒ نے ارشاد فرمایا کہ ہمارے زمانہ میں ۱۴ طالب العلم دورۂ حدیث میں تھے دستاربندی کی تجویز ہوئی یہ دارالعلوم کا دوسرا جلسہ تھا ہمیں بھی پگڑی باندھنے کا ارادہ کیا گیا ــــ تو ان چودہ طالب العلموں نے آپس میں مشورہ کیا کہ جلسہ کو رکوانے کی کوشش کرنی چاہئے کیونکہ ہم امیوں کو پگڑی بندھوائی جائے گی اور ہم اہل نہیں۔ جس سے مدرسہ کی بدنامی ہوگی ــــ غرض ان چودہ طالب علموں نے مولانا تھانویؒ کو اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا۔ کہ جا کر حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ سے جلسہ رکوانے کی درخواست پیش کریں۔ حضرت مولانا یعقوب صاحب دارالعلوم کے اول مدرس تھے۔ حضرت تھانویؒ جب ان کی خدمت میں پہنچے تو مولانا محمد یعقوبؒ صاحب مطالعہ کر رہے تھے کتابوں کا ــــ حضرت تھانویؒ نے ہیئت بھی اس وقت کی بتلا دی کہ میں جب حجرہ میں پہنچا تو ڈیسک پر کتاب رکھ کر ٹھیک نگاہ گہرے مطالعہ میں مصروف تھے ــــ نگاہ اٹھائی تو رعب اتنا تھا کہ ہر ایک برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ پوچھا خیر تو ہے۔ کیسے آنا ہوا؟ حضرت تھانوی فرماتے ہیں۔ میں نے درخواست پیش کی کہ دیوبند میں جلسۂ دستاربندی ہو رہا ہے۔ حکم کی تعمیل سے تو انکار نہیں لیکن اگر عرض کرنے کا موقع دیں تو ہماری درخواست ہے کہ ہم اس کے اہل نہیں۔ نالائق ہیں پورا مدرسہ اور ہمارے اکابر و اساتذہ بدنام ہو جائیں گے۔ جلسہ روک دیا جائے۔ اور ہماری نالائقیوں سے پردہ نہ اٹھایا جائے ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے عیوب پر پردہ پڑا رہے۔ یہ سن کر حضرت مولانا یعقوبؒ صاحب کو جوش رحمت آیا ــــ فرمایا یہ تمہاری نالائقی کا احساس تمہاری سعادت مندی ہے۔ اور جب آدمی میں اپنی نالائقی کا احساس آ جاتے تو یہ اس کے کمال و فضیلت اور سعادتمندی کی دلیل ہوتی ہے اور ہم جو یہ جلسہ کر رہے ہیں تو وہاں اعلان کریں گے کہ فیما بیننا و بین اللہ ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ یہ لوگ ہمارے نزدیک اہل ہیں، قابل ہیں اور جس کی مرضی ہو ان کا کسی فن میں امتحان لے لے ــــ حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ ہم لوگ اور بھی ڈر گئے کہ آئے تھے جلسہ رکوانے کو اور یہاں امتحان دینے کا الگ کہہ دیا گیا۔ بہرحال ہم وہاں سے چلے گئے۔ جاتے وقت حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نے ایک جملہ فرمایا کہ دنیا گدھوں سے بھری پڑی ہے جہاں تم جاؤ گے وہاں تم ہی تم ہوگے تمہارا ہی غلبہ ہوگا ــــ حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ ہم نے تجربہ کیا کہ جہاں گئے ہمیں ہم نظر آئے، جہاں گئے غالب ہی غالب رہے کہ حق ہی کو غلبہ ہے الحق یعلوا ولا یعلی۔ غالبیت کے لئے حق ہے اور مغلوبیت باطل کو ہے۔

بہرحال یہ ہے فضلاء دیوبند کی تنظیم جو دراصل خدمات کی تنظیم ہے۔ دوسرا فائدہ اس میں یہ ہے کہ کچھ خدمات مرکز کی ہیں کچھ فضلاء کی۔ دونوں کی خدمات ہیں۔ اس واسطے تنظیم ہونی چاہئے کہ مرکز کو فضلاء کی خدمت کا پتہ لگے اور فضلاء کو مرکز کی خدمات سے آگاہی ہو۔ اگر فضلاء کو کسی مدد کی ضرورت و حاجت ہو تو ادھر مرکز کو پتہ لگے اور اس کے لئے سوچے اور مرکز کی ضرورتوں کا علم فضلاء کو ہو۔ غرض جانبین سے ایک رابطہ قائم رہے گا۔

ہندوستان میں دیکھا گیا کہ فتنے اٹھتے ہیں۔ علمی فتنے، عملی فتنے، ہر قسم کے فتنے اٹھتے ہیں۔ فضلائے دیوبند نے مقامی طور پر ان فتنوں کا مقابلہ کیا اور ان فتنوں کو مغلوب کیا ہے۔ مرکز کو پتہ نہیں کہ فضلاء نے کیا خدمات انجام دیں اور فضلاء کو یہ شکایت رہتی ہے کہ ہم بڑے بڑے کام کر رہے ہیں لیکن مرکز ہماری خبر نہیں لیتا ہماری تحسین نہیں کرتا تو اس غرض سے یہ تنظیم کا سلسلہ قائم کیا گیا کہ اگر ضرورت پڑے گی تو آپس میں اجتماعی آواز ہوگی۔ ان کی حمایت میں آواز اٹھے گی۔ مرکز کوئی شخص امداد کے لئے بھیج سکے گا۔ جماعتی آواز کا اثر ہوگا۔ اس میں طاقت ہوگی۔ دین کا فائدہ ہوگا۔ قوم کو فائدہ ہوگا۔

تو یہ تنظیم خدمات کی ہے، افراد کی نہیں۔ خدمات اس صورت میں زندۂ جاوید رہیں گی۔ منظم ہونا قوم کو ہر حیثیت سے مفید رہے گا۔ باہمی تعاون جاری رہیگا۔ خدمات کا انضباط کیا جا سکے گا کہ کہاں کہاں اور کیا کیا خدمات انجام دی جا رہی ہیں۔ اس کی ضرورت اس وجہ سے بھی پیش آئی کہ مختلف چھوٹی چھوٹی جماعتوں نے دعوے کئے اور کام بہت تھوڑا یا بالکل نہیں کیا۔ معمولی خدمات کیں مگر نمائش زیادہ کی۔ ہمارے ہاں کام ہوتا ہے۔ مگر ہمارے نہ اخبارات ہیں نہ اشتہارات۔ اور یہ لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہندوستان کو ہم نے سنبھالا ہوا ہے۔ ہمارے اکابر کے ہاں کام ہے نام نہیں، پروپیگنڈا نہیں، لوگ چھوٹی چھوٹی خدمات اخبارات میں شائع کراتے ہیں۔ میں سوچا کرتا ہوں کہ دارالعلوم میں روزانہ جلسے ہوتے ہیں۔ لیکن کسی کو خبر نہیں ہوتی۔ جتنے لوگ اشتہارات، منصوبوں اور پروگرام کے بعد کسی جلسہ میں جمع ہوتے ہیں۔ وہاں بلا کسی منصوبہ کے آئے دن اتنے لوگ جمع ہو جاتے ہیں۔ چھوٹی جماعتیں ہیں پروپیگنڈہ بہت ہے اور کام کے درجہ میں صفر ہوتے ہیں۔ اور کئی لوگ دارالعلوم کو جاننے والے نہیں کہ کیا خدمتیں انجام دیں ــــ اس تنظیم میں ایک فائدہ یہ بھی ہوگا کہ مرکز میں بھی انبساط ہوگا اور فضلاء کا دل الگ بڑھیگا خدمتیں نمایاں ہو کر آئیں گی۔ اور بھی کئی قسم کے فوائد ہیں یہ صورت پیش آئی کہ تنظیم ہونی چاہئے۔

کئی قواعد و ضوابط منضبط کئے گئے تنظیم کو صوبہ وار پھر ضلع وار رکھا گیا۔ کہ فضلاء علاقہ وار جمع ہو کر ایک ذمہ دار مقرر کریں صدر بنائیں۔ یہ خیال زیادہ اس وجہ سے بھی پیدا ہوا کہ اکابر نے ارادہ کیا کہ ایک جلسہ دستاربندی کا بھی ہو جائے۔ تقریباً پچاس برس سے جلسۂ دستاربندی نہیں ہوا۔ ۱۳۲۸ھ سے لے کر اب تک درج رجسٹر فضلاء کی تعداد چھ ہزار تک ہے ان چھ ہزار علماء کی دستاربندی کرائی جائے۔ اس واسطے اشتہارات جاری کئے گئے۔ ایک مستقل دفتر قائم کیا گیا کہ اس کے نظم و نسق کو سوچیں، ترتیب دیں ــــ اعلانات جاری کئے گئے

(باقی صفحہ ۱۶ پر)

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ

بارگاہِ نبویؐ میں

مؤرخین اور مصنفین کو خدا معاف کرے مقدس سے مقدس مقامات اور افضل سے افضل اوقات میں بھی یہ تاریخی ذوق اور طرزِ فکر ان کا ساتھ نہیں چھوڑتا اور وہ چند لمحات کے لئے بھی اس سے آزاد نہیں ہو پاتے۔ وہ جہاں بھی ہوتے ہیں اپنے علم و مطالعہ کی فضا میں سانس لیتے ہیں اور حال کا رشتہ ہمیشہ ماضی سے جوڑنا چاہتے ہیں، مناظر کو دیکھ کر ان کا ذہن بہت جلد اس تاریخی منظر کی تلاش میں نکل جاتا ہے جن کے نتیجہ میں ان مناظر کا وجود اور نمود ہے۔

مجھے کل روضۂ نبویؐ کی زیارت نصیب ہوئی۔ میرے چاروں طرف نمازیوں اور عبادت گزاروں کا زبردست مجمع تھا، ان میں کچھ لوگ سجدے میں تھے اور کچھ رکوع میں، تلاوتِ قرآن کی آوازیں فضا میں اس طرح گونج رہی تھیں جس طرح شہد کی مکھیاں اپنے چھتہ میں بھنبھنا رہی ہوں۔ اس وقت کا سماں کچھ ایسا تھا کہ مجھے تاریخ اور تاریخی شخصیات کو تھوڑی دیر کے لئے فراموش کر دینا چاہئے تھا۔ لیکن تاریخ کی قدیم یادیں بادلوں کی طرح میرے دل و دماغ پہ چھا گئیں اور میرا ان پر کوئی زور نہ چل سکا۔

مجھے ایسا محسوس ہُوا کہ اس امت کی نامور شخصیتوں اور رہنماؤں کو ایک نئی زندگی عطا کی گئی ہے اور وہ وفود کی شکل میں یکے بعد دیگرے بارگاہِ نبوی میں حاضر ہو رہے ہیں اور اسی عظیم مسجد میں فریضۂ نماز ادا کرنے کے بعد اِسی عظیم نبیؐ کو ہدیۂ سلام اور خراجِ عقیدت و محبت پیش کر رہے ہیں۔ اور اس کے احسان کا اعتراف کر رہے ہیں اور (طبقاتی اختلاف کے باوجود) اس بات کی گواہی دے رہے ہیں کہ یہی وہ نبیؐ ہیں جنہوں نے اللہ کے حکم سے ان کو ظلمت سے روشنی کی طرف، تیرہ بختی سے خوش بختی کی طرف، مخلوق کی عبادت سے خدائے واحد کی عبادت کی طرف، اور مذاہب کے ظلم و استبداد سے اسلام کے عدل و انصاف کی طرف، اور دنیا کی تنگی سے اس کی کشادگی کی طرف نکالا، وہ اعتراف کر رہے ہیں کہ وہ اسلام ہی کی پیداوار ہیں۔ اور ان کا سارا وجود اور زندگی نبوت کی مرہونِ منت ہے۔ اگر خدانخواستہ ان سے وہ سب واپس لے لیا جائے جو اللہ تعالےٰ نے ان کو اس نبی کے ذریعہ عطا کیا تھا اور نبوت کے وُہ عطیے ان سے چھین لئے جائیں جنہوں نے دنیا میں ان کو عزت و سرفرازی بخشی تھی تو ان کی حیثیت ایک بے روح اور بے جان ڈھانچے اور چند مبہم اور بے مقصد خطوط و اشکال سے زیادہ نہ رہ جائے گی اور وہ تاریخ کے تاریک ترین عہد، جنگلیوں کے قانون اور رہزنوں اور لٹیروں کی حکومت کی طرف واپس چلے جائیں گے، اور موجودہ تہذیب و تمدن کا نام و نشان تک مٹ جائے گا۔

اچانک میری نگاہ ایک طرف اُٹھ گئی مَیں نے دیکھا کہ بابِ جبریل سے (جو مجھ سے سب سے زیادہ قریب تھا) ایک جماعت داخل ہو رہی ہے۔ سکون و وقار میں ڈوبے ہوئے، ان کی پیشانی سے علم کا نور اور ذہانت کی روشنی صاف عیاں تھی۔ وہ باب الرحمۃ اور باب جبریل کے درمیانی حصے میں پھیل گئے وہ اتنی بڑی تعداد میں تھے کہ ان کا شمار کا کوئی سوال نہیں تھا۔ مَیں نے دربان سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ اس نے کہا کہ اس امت کے امام اور رہنما انسانیت کے محسن اور نوعِ انسانی کے ممتاز اور قابلِ فخر نمونے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک پوری پوری قوم کا امام، پورے پورے کتبخانہ اور مکتبِ فکر کا بانی اور موسس پوری نسل کا مربّی اور ہر علم و فن کا موجد ہے۔ ان کے لازوال آثار اور لافانی شاہکار اور نمونے آج بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔ ان کے علم و اجتہاد اور تحقیق کی روشنی میں کئی کئی نسلوں نے سفرِ زندگی طے کیا ہے اس نے عجلت کے ساتھ چند ہستیوں کے نام بھی مجھے بتا دئے۔ حضرت مالک بن انسؒ، امام ابوحنیفہؒ امام شافعی، امام احمد بن حنبل، لیث بن سعد مصری، امام اوزاعی، امام بخاریؒ، امام مسلمؒ، تقی الدین بن تیمیہ، ابن قدامہ، ابواسحاق الشاطبی، کمال ابن الہمام، شاہ ولی اللہ دہلویؒ، یہ لوگ تھے جنہوں نے زمان و مکان کے تفاوت اور فرقِ مراتب اور اختلافِ درجات کے ساتھ بارگاہِ نبویؐ میں خراجِ عقیدت پیش کیا اور اشکِ ندامت نذر کئے۔

میں نے دیکھا کہ سب سے پہلے انہوں نے تحیۃ المسجد کی دوگانہ بہت خشوع و خضوع اور حضوریِ قلب کے ساتھ ادا کی، پھر بہت ادب اور تواضع کے ساتھ قبر مبارک کی طرف بڑھے۔ اور بہت نیچے تلے، مختصر، معانی سے لبریز، گہرے اور پُرمغز کلمات کے ساتھ سلام پیش کیا، مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان کی آواز اس وقت بھی میرے کانوں میں گونج رہی ہے۔ اُن کی آنکھوں میں آنسو تھے اور آواز میں رقت وہ کہہ رہے تھے:۔

"یا رسول اللہؐ! اگر آپ کی لازوال، وسیع اور جامع، عادلانہ اور کشادہ شریعت نہ ہوتی، اور اس کے وہ اصول نہ ہوتے جن سے انسانی ذہن اور انسانی صلاحیت نے نئے نئے گل بوٹے پیدا کئے۔ اور زمین کا دامن بیش قیمت اور عطر بیز پھولوں سے بھر دیا۔ اور اس کا وہ حکیمانہ اور معجزانہ نظام نہ ہوتا جس نے انسانی فکر و تدبّر اور اخذ و استنباط کی صلاحیت کو بیدار کر دیا۔ اور اگر انسانیت کو اس کی احتیاج نہ ہوتی تو نہ اس عظیم فقہ کا کوئی وجود ہوتا نہ اس عظیم اسلامی قانون سے کوئی واقف ہوتا جس سے اس وقت ہر قوم کا دامن خالی تھا۔ نہ اتنا بڑا اسلامی کتب خانہ وجود میں آتا جس کے سامنے دنیا کا سارا مذہبی لٹریچر ہیچ ہے۔ اگر علم کی اشاعت اور خدا کی نشانیوں اور اس کی قدرتِ کاملہ میں غور و فکر اور استعمالِ عقل کے لئے آپ جد و جہد نہ فرماتے تو یہ شجرِ علم زیادہ دنوں تک برگ و بار نہ لا سکتا۔ اور نہ اس کی وہ اشاعت ہوتی جو آج نظر آ رہی ہے، عقلِ انسانی پہلے کی طرح پا بہ زنجیر ہوتی اور دنیا استفادہ سے محروم"

میں اس جماعت کو جی بھر کر دیکھ بھی نہ سکا تھا کہ میری نظر ایک دوسرے گروہ پر پڑی جو باب الرحمۃ سے ہو کر اندر کی طرف بڑھ رہا تھا۔ صلاح و تقویٰ اور زہد و عبادت کے آثار ان کے چہروں

سے صاف ظاہر تھے۔ مجھے بتایا گیا کہ اس جماعت میں حسن بصریؒ، عمر بن عبدالعزیز، سفیان ثوری، فضیل بن عیاضؒ، داؤد الطائی ابن السماک، شیخ عبدالقادر جیلانی نظام الدین اولیاء اور عبدالوہاب المتقی جیسے حضرات بھی رونق بخش ہیں۔ جنہوں نے اپنے قابلِ رشک پیشروؤں کی یاد تازہ کر دی۔ نماز کے بعد یہ لوگ بھی قبرِ مبارک کے سامنے کھڑے ہوئے اور اپنے نبی و پیشوا اور سب سے بڑے معلّم اور رہنما کو درود و سلام کا تحفہ پیش کرنے لگے۔ وہ کہہ رہے تھے۔

"یا رسول اللہؐ! اگر ہمارے سامنے وہ عملی مثال نہ ہوتی جو آپ نے پیش فرمائی تھی اور وہ مینارۂ نور نہ ہوتا جس کو آپ نے بعد کے آنے والوں کے لئے قائم فرمایا تھا۔ اگر آپ کا یہ قول نہ ہوتا کہ "اے اللہ! زندگی تو آخرت کی زندگی ہے"۔ اگر آپ کی یہ وصیت نہ ہوتی کہ "دنیا میں اس طرح زندگی گذار جس طرح کوئی مسافر یا راہی گذارتا ہے"۔ اگر زندگی کا وہ طرز نہ ہوتا جس کا ذکر حضرت عائشہؓ نے اس طرح کیا ہے کہ "ایک چاند کے بعد دوسرا چاند اور دوسرے کے بعد تیسرا چاند نکل آتا تھا اور آپ کے گھر میں نہ آگ جلتی تھی نہ چولھے پر دیگچی چڑھانے کی نوبت آتی تھی"۔ تو ہم دنیا پر اس طرح آخرت کو ترجیح نہ دے سکتے۔ اور نہ ان ضروریاتِ زندگی پر قناعت کرتے جو زندگی و صحت کے بقا کے لئے ناگزیر ہیں۔ نہ ہم نفس کی ترغیبات پر قابو پا سکتے، اور نہ دنیا کے حسن و جمال، اس کی رعنائی و زیبائی، اور عہدہ و منصب کی طاقت اور کشش کا اس طرح مقابلہ کر سکتے"۔

ان کے حکیمانہ الفاظ ابھی پوری طرح میرے دل و دماغ میں پیوست بھی نہ ہوئے تھے کہ میری نظر ایک اور گروہ پر پڑی جو "باب النساء" سے بہت حجاب اور ادب کے ساتھ گذر رہا تھا۔ ظاہری آرائش اور آزاد روی کے ان مناظر سے جو اسلامی اصول و آداب کے منافی ہیں۔ یہ گروہ بالکل محفوظ اور خالی تھا۔ یہ مختلف قوموں اور دور دراز ملکوں کی صالح، عبادت گذار اور عفیف خواتین تھیں جو عرب و عجم اور مشرق و مغرب کے مختلف خطوں سے تعلق رکھتی تھیں، بہت دبی زبان میں اور پورا ادب و احترام ملحوظ رکھتے ہوئے وہ اپنے جذباتِ تشکّر و عقیدت کا اظہار اس طرح کر رہی تھیں۔

"ہم آپ پر درود و سلام بھیجتے ہیں اے رسول اللہؐ! ایسے طبقے کا درود و سلام جس پر آپ کا سب سے بڑا احسان ہے۔ آپ نے ہم کو خدا کی مدد سے جاہلیت کی بیڑیوں اور بندشوں جاہلی عادات و روایات، سوسائٹی کے ظلم اور مردوں کی زور دستی اور زیادتی سے نجات بخشی، لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے کے رواج کو ختم کیا، ماؤں کی نافرمانی پر وعید سنائی۔ آپ نے فرمایا کہ جنت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے۔ آپ نے وراثت میں ہم کو شریک کیا اور اس میں ماں، بہن، بیٹی اور بیوی کی حیثیت سے ہم کو حصّہ دلایا۔ یوم عرفہ کے مشہور تاریخی خطبہ میں بھی آپ نے ہمیں فراموش نہیں کیا اور کہا کہ "عورتوں کے بارے میں خدا سے ڈرو۔ اس لئے کہ تم نے ان کو اللہ کے نام کے واسطے سے حاصل کیا ہے۔ اس کے علاوہ مختلف مواقع پر آپ نے مردوں کو عورتوں کے ساتھ حسن سلوک، ادائے حقوق اور بہتر معاشرت کی ترغیب دی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہمارے طبقہ کی طرف سے وہ بہتر سے بہتر جزا دے جو انبیاء و مرسلین اور اللہ کے نیک اور صالح بندوں کو دی جا سکتی ہے"۔

یہ نرم آوازیں میرے کانوں میں گونج رہی تھیں کہ ایک اور جماعت نظر آئی جو "باب السلام" کی طرف سے آ رہی تھی۔ میں ان کی طرف متوجہ ہوا تو دیکھا کہ وہ علوم و فنون کی موجد اور مرتب، اور ائمہ نحو و لغت و بلاغت کی جماعت تھی۔ ان میں ابوالاسود الدؤلی، خلیل بن احمد، سیبویہ، کسائی، ابوعلی الفارسی، عبدالقاہر الجرجانی، السکاکی، مجدالدین فیروزآبادی سید مرتضیٰ الزبیدی بھی تھے جو اپنے علوم کا سلام پیش کر رہے تھے، اور اپنی شہرت اور مرتبۂ علمی کا خراج ادا کرنے آئے تھے۔ میں نے دیکھا وہ بہت بلیغ اور ادبی الفاظ میں اس طرح گویا ہیں:-

"یا رسول اللہؐ! اگر آپ نہ ہوتے اور یہ مقدس کتاب نہ ہوتی جو آپ پر نازل ہوئی، اگر آپ کی احادیث نہ ہوتیں اور یہ شریعت نہ ہوتی جس کے سامنے ساری دنیا نے سرِ تسلیم خم کر دیا تھا۔ اور وہ اس کی وجہ سے عربی زبان سیکھنے اور اس میں مہارت حاصل کرنے پر مجبور تھی۔ تو پھر یہ علوم بھی نہ ہوتے جن میں آج ہم کو رہنمائی اور برتری کا شرف حاصل ہے۔ نحو، بیان اور بلاغت ان میں سے کسی چیز کا بھی وجود نہ ہوتا، نہ یہ بڑی بڑی معاجم اور لغات نظر آتیں، نہ عربی زبان کے مفردات میں یہ نکتہ آفرینیاں اور دقیقہ سنجیاں ہوتیں، نہ ہم اس راستہ میں اتنی زبردست اور طویل جد و جہد کے لئے تیار ہوتے۔ عجم کو (جس کے ہاں زبانوں اور لہجوں کی کوئی کمی نہ تھی) عربی سیکھنے اور اس پر عبور حاصل کرنے کی کوئی خواہش نہ ہوتی اور نہ ان میں وہ مصنّفین اور اہلِ قلم پیدا ہوتے۔ جن کے ادبی مرتبہ اور مہارتِ فن کے اعتراف پر ادباءِ عرب بھی مجبور ہیں۔ اے رسول اللہؐ! آپ ہی ہمارے درمیان اور اسلام میں پیدا ہونے والے ان علوم کے درمیان رابطہ اور واسطہ تھے جو آپ کے عہدِ رسالت اور عہدِ امامت میں پیدا ہوئے۔ درحقیقت صرف آپ ہی عرب و عجم میں رابطہ کا ذریعہ ہیں آپ ہی کی ذات ہے جس نے اس درمیانی خلا کو پُر کیا ہے اور عرب و عجم قریب و بعید کو گلے ملا دیا ہے۔ آپ کا کتنا احسان ہے۔ ہماری اس ذہانت، طباعی اور تبحرِ علمی پر، اور آپ کا کتنا کرم ہے علم کی اس ثروت پر، انسانی عقل کی زرخیزی پر، اور قلم کی گلکاری پر! اے رسول اللہ! اگر آپ نہ ہوتے تو یہ زبان بھی بہت سی اور زبانوں کی طرح صفحۂ ہستی سے ناپید ہو جاتی۔ اگر قرآن مجید کا معجزہ نہ ہوتا تو اس پر تحریف کا ایسا عمل جراحی ہوتا کہ اس کی صورت ہی مسخ ہو جاتی، جیسا بکثرت دوسری زبانوں کے ساتھ ہُوا ہے عجمی لہجے اور مقامی زبانیں اس کو جذب کر لیتیں یا نگل لیتیں اور اس کی فصاحت یکسر ختم ہو جاتی، یہ آپ کے وجودِ مبارک، شریعتِ اسلامی اور اس کتابِ مقدس کا فیض ہے جس نے اس زبان کو فنا کے دستِ بُرد سے محفوظ رکھا ہے۔ اور عالمِ اسلام کے لئے اس کی عزت و محبت واجب کر دی ہے اور ہر مسلمان کے دل کو اس کی محبت و

عقیدت سے لبریز کر دیا ہے۔ آپ ہی کی وجہ سے اللہ تعالٰے نے اس زبان کو دوام بخشا۔ اور اس کی بقاء و ترقی کی ضمانت کی۔ اس لئے ہر اس شخص پر جو اس زبان میں بات کرتا ہے یا لکھتا ہے یا اس کی وجہ سے کوئی بلند مرتبہ حاصل کرتا ہے یا اس کی دعوت دیتا ہے آپ کا احسان ہے اور وہ اس احسان کو ماننے پر مجبور ہے۔"

میں ان کے اس اعتراف اور اظہارِ حقیقت کو غور سے سن رہا تھا کہ اچانک میری نگاہ "باب عبدالعزیز" پر جا کر ٹھہر گئی۔ اس دروازے سے ایک ایسا گروہ داخل ہو رہا تھا جس پر مختلف قوموں اور مختلف ملکوں کے رنگ نمایاں تھے۔ اس میں دنیا کے بڑے بڑے سلاطین اور تاریخ کے ممتاز ترین بادشاہ اور فرمانروا شامل تھے۔ ہارون رشید، ولید بن عبدالملک، ملک شاہ سلجوقی، صلاح الدین ایوبی، محمود غزنوی، ظاہر بیبرس، سلیمان القانونی، اورنگ زیب عالمگیر بھی اس گروہ میں شامل تھے۔ انہوں نے اپنے خادموں اور سپاہیوں کو دروازے کے باہر ہی چھوڑ دیا تھا اور نظریں جھکائے، تواضع و انکساری کا مجسمہ بنے ہوئے بہت آہستہ آہستہ گفتگو کرتے ہوئے چل رہے تھے میری نظر کے سامنے ان سب کی شخصیتیں اور کارنامے ابھرنے لگے۔ میری آنکھوں میں اس طویل و عریض دنیا کا نقشہ پھر گیا جس پر ان کا سکہ چلتا تھا۔ اس غلبہ و اقتدار کی تصویر یکایک میرے سامنے آ گئی جو ان کو دنیا کی بڑی بڑی قوموں، طاقتور سلطنتوں اور جابر بادشاہوں پر حاصل تھا۔ ان میں وہ شخص[1] بھی تھا۔ جس نے بادل کے ایک ٹکڑے کو دیکھ کر یہ تاریخی جملہ کہا تھا " تو جہاں چاہے جا کے برس تیرا خراج آخرکار میرے ہی خزانہ میں آئیگا۔" وہ شخص[2] بھی تھا جس کی سلطنت کی وسعت کا عالم یہ تھا کہ اگر سب سے تیز رفتار اونٹ ملک کے ایک سرے سے دوسرے تک جانا چاہتا تو یہ ۱۵ ماہ سے کم میں ناممکن تھا۔ ان میں وہ فرمانروا بھی تھے جو نصف کرۂ ارضی پر حکومت کرتے تھے اور بڑے بڑے بادشاہ ان کو خراج پیش کرنے پر مجبور تھے[3] ایسے فرمانروا بھی تھے

[1] ہارون رشید کی طرف اشارہ ہے۔
[2] ولید بن عبدالملک مراد ہیں۔
[3] سلیمان قانونی کی طرف اشارہ ہے۔

جن کی ہیبت سے سارا یورپ لرزہ براندام تھا اور جن کے زمانے میں مسلمانوں کو عزت کا یہ مقام حاصل تھا کہ جب وہ یورپ کے ملکوں میں جاتے تھے تو ان کے دین کے احترام اور ان کے غلبہ و سطوت کے اثر سے گرجوں کے گھنٹے بجنا بند ہو جاتے تھے[1] غرض اسی طرح کے نہ جانے کتنے بادشاہ اور فرمانروا اس مجمع میں موجود تھے۔ وہ مسجدِ نبوی میں نماز ادا کرنے کے لئے آگے کی طرف بڑھ رہے تھے اور حضور کو درود و سلام کا ہدیہ پیش کرنا چاہتے تھے۔ اور اس کو اپنے لئے سب سے بڑا شرف و اعزاز اور سب سے بڑی سعادت سمجھتے تھے اور تمنا کرتے تھے کہ کاش اُن کی یہ نماز اور یہ درود و سلام قبول ہو۔ میں نے دیکھا کہ وُہ لرزتے ہوئے قدموں کے ساتھ آہستہ آہستہ آگے کی طرف بڑھ رہے ہیں اُن کے دلوں پر ہیبت طاری تھی۔ یہاں تک کہ وہ "صفہ" کے نزدیک پہنچ گئے۔ جو فقراء صحابہ کا مسکن اور جائے قیام تھا وہ تھوڑی دیر کے لئے وہاں رُک گئے۔ اور عزت و احترام اور شرم و حیا کے ملے جلے جذبات کے ساتھ اس کو دیکھنے لگے۔ اس کے قریب ہی انہوں نے تحیۃ المسجد کے طور پر دو رکعتیں پڑھیں۔ اور قبر مبارک کی طرف بڑھے اور پھر ان کی محبت و عقیدت، جذبات و احساسات اور علم و ایمان کی زبان نے جو کچھ کہلوایا وہ انہوں نے اس بارگاہِ نبویؐ میں عرض کیا۔ لیکن شریعت کے آداب کا خیال رکھتے ہوئے اور توحیدِ خالص کو پیشِ نظر رکھ کر میں نے سنا وُہ کہہ رہے تھے :۔

"اے رسول اللہؐ! اگر آپ نہ ہوتے اور آپ کا یہ جہاد اور یہ دعوت نہ ہوتی جو دنیا کے گوشہ گوشہ میں پھیل گئی اور جس نے بڑے بڑے ملکوں کو فتح کر لیا۔ اور اگر آپ کا یہ دین نہ ہوتا جس پر ایمان لانے کے بعد ہمارے آباؤ اجداد گوشۂ عزلت اور قعرِ مذلت سے نکل کر عزت و سربلندی، حوصلہ مندی اور بلند ہمتی کی وسیع زندگی میں داخل ہوتے پھر اس کے نتیجہ میں انہوں نے بڑی بڑی سلطنتیں قائم کیں، دُور دراز ملکوں کو فتح کیا۔ اور ان قوموں سے خراج وصول کیا جو کسی

[1] سلیمان بن سلیم العثمانی کی طرف اشارہ ہے۔

زمانہ میں ان کو اپنی لاٹھی سے ہانکتی تھیں اگر جاہلیت سے اسلام کی طرف اور گوشۂ گمنامی اور تنگ و محدود قبائلی زندگی سے تسخیرِ عالم کی طرف یہ مبارک سفر نہ ہوتا جو آپ کی برکت سے انجام پذیر ہوا تو دنیا میں کسی جگہ بھی ہمارا جھنڈا سربلند نہ ہوتا اور نہ ہماری کہانی کسی جگہ سنائی جاتی۔ ہم اسی طرح بے آب و گیاہ، خشک و ویران صحراؤں اور حقیر وادیوں میں باہم دست و گریباں رہتے۔ جو طاقت ور ہوتا وہ کمزور پر ظلم کرتا، بڑا چھوٹے پر زیادتی کرتا، ہماری غذا بہت ہی حقیر اور معیار اتنا پست تھا کہ اس سے زیادہ پست کا تصوّر مشکل ہے۔ ہم اس گاؤں یا اپنے محدود قبیلہ سے آگے بڑھ کر کچھ سوچنے کی صلاحیّت ہی نہیں رکھتے تھے۔ جس میں ہماری ساری زندگی اور ساری جد و جہد محصور تھی۔ ہماری مثال تالاب کی مچھلیوں اور کنوئیں کے مینڈکوں کی سی تھی۔ ہم اپنے محدود تجربوں کے جال میں گرفتار تھے اور اپنے جاہل اور بے عقل آباء و اجداد کے گن گاتے تھے۔

آپ نے اے رسول اللہؐ ہم کو اپنے

دعوتِ عمل

تمام ارکان جمعیۃ علماء اسلام مغربی پاکستان کے نام

السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

آپ یہ سن کر اور اخباروں میں پڑھ کر یقیناً خوش ہوئے ہونگے کہ حضرت مولانا مفتی محمود صاحب مدظلہٗ قائمقام امیر جمعیۃ العلماء اسلام مغربی پاکستان نے ایک اعلان کے ذریعے سے جمعیۃ العلماء کا نظام بحال فرما دیا ہے جس کے فوراً بعد ملک کے مختلف اضلاع میں مقامی جمعیۃ علماء اسلام نے کام شروع کر دیا ہے۔ ایسے انقلابی موقعہ پر ضرورت تھی کہ مرکزی اجلاس بلا کر تمام امور مشورہ سے طے کر لئے جائیں۔ اس لئے حضرت مولانا مفتی محمود صاحب مدظلہٗ قائمقام امیر کے حکم سے میں اعلان کرتا اور آپ کی خدمت میں درخواست کرتا ہوں کہ ۲۴ر اگست ۱۹۶۳ء کو لاہور میں بمقام شیرانوالہ انجمن خدام الدین کی عمارت میں زیرِ صدارت حضرت

مولانا محمد عبد اللہ صاحب درخواستی مدظلہٗ
مرکزی جمعیۃ علماء اسلام مغربی پاکستان کی
مجلس مشاورت کا اجلاس

منعقد ہونا قرار پایا ہے آپ اس میں شریک ہو کر ممنون فرمائیں۔ اجلاس ۸ بجے صبح سے شروع ہوگا۔ ایجنڈا حسب ذیل ہے :۔

(الف) انتخاب مرکزی جمعیۃ علماء اسلام (ب) قواعد و ضوابط پر غور (ج) حالات حاضرہ پر بحث (د) صوبائی اور مرکزی اسمبلیوں میں جمعیۃ علماء اسلام کے ارکان کی کارگذاری کا جائزہ اور آئندہ کیلئے ضروری مشورہ (ھ) دیگر امور باجازت صدر

غلام غوث ناظم اعلیٰ مرکزی جمعیۃ العلماء اسلام مغربی پاکستان لاہور

دین کی ایسی روشنی عطا کی کہ آنکھیں کھل گئیں۔ خیال میں وسعت پیدا ہوئی۔ نظر کو جلا ہوئی اس کے بعد ہم اس وسیع اور جامع دین اور اس روحانی رشتہ اور رابطہ کو لے کر خدا کی وسیع اور کشادہ زمین میں پھیل گئے۔ ہم نے اپنی تمام خوابیدہ اور جامد صلاحیتوں سے کام لیتے ہوئے شرک و بت پرستی اور ظلم و جہالت کا پوری طاقت سے مقابلہ کیا اور ایسی عظیم الشان حکومتیں قائم کیں جن کے سایہ میں ہم اور ہماری اولاد اور ہمارے بھائی صدیوں تک آرام اور فائدہ اٹھاتے رہے آج ہم آپ کی خدمت میں نذرِ عقیدت پیش کرنے آئے ہیں اور اپنے جذبۂ محبت اور عزت و احترام کا خراج یا ٹیکس اپنی خوشی و مرضی سے ادا کر رہے ہیں۔ اور اس کو اپنے لئے باعثِ فخر اور وسیلۂ شرف سمجھتے ہیں۔

ہمیں پورا اعتراف ہے کہ اس دین کے احکام و قوانین کے نفاذ کے سلسلہ میں (جس سے اللہ تعالٰے نے ہم کو سرفراز کیا تھا) ہم سے یقیناً بڑی کوتاہی ہوئی۔ ہم اللہ سے استغفار کرتے ہیں۔ بے شک وہ بہت معاف کرنے والا اور رحیم ہے

مَیں ان بادشاہوں کی طرف متوجہ تھا۔ میری نظریں ان کے خاموش اور باادب چہروں پر مرکوز تھیں۔ میرے کان اُن کے ان پُر خلوص، نیازمندانہ الفاظ پر لگے ہوئے تھے جو اس سے قبل مَیں نے ان سے کسی موقع پر نہیں سُنے تھے کہ ایک اور جماعت داخل ہوئی۔ اور ان بادشاہوں اور فرمانرواؤں کی پروا کئے بغیر اُن کی صفوں سے ہوتی ہوئی سامنے آ گئی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان بادشاہوں کے رعب و دبدبہ اور قوت و اقتدار کا ان پر کوئی اثر نہیں ہے میں نے اپنے دل میں کہا کہ یا تو یہ شاعر ہیں یا انقلابی، یہ اندازہ غلط نہ تھا اس لئے کہ یہ جماعت ان دونوں گروہوں پر مشتمل تھی۔ اس میں سیّد جمال الدین افغانی، امیر سعید حلیم، مولانا محمد علی، امام حسن البنار کے پہلو بہ پہلو ترکی کے مشہور شاعر محمد عاکف اور ڈاکٹر محمد اقبال بھی موجود تھے۔ ترجمانی کے لئے ان لوگوں نے آخر الذکر کا انتخاب کیا اور لائق ترجمان نے ان الفاظ میں اپنے جذباتِ عقیدت کا اظہار کیا :۔

"یا رسول اللہ! مَیں آپ سے اُس قوم کی شکایت کرنے آیا ہوں جو آج بھی آپ کے خوانِ نعمت سے لطف اندوز ہو رہی ہے اور آپ کے سایۂ رحمت میں زندگی گذار رہی ہے۔ اور آپ ہی کے لگائے ہوئے باغ کے پھل کھا رہی ہے وہ ان ملکوں میں جن کو آپ نے قفسِ استبداد سے آزاد کرایا تھا اور سورج کی روشنی اور کھلی ہوا عطا کی تھی وہ آج آزادی کے ساتھ اور اپنی مرضی کے مطابق حکومت کر رہی ہے۔ لیکن یہی قوم اے رسول اللہ! آج اُسی بنیاد کو اکھاڑ رہی ہے جس پر اس عظیم امت کے وجود کا دارومدار ہے۔ اس کے رہنما اور لیڈر آج یہ کوشش کر رہے ہیں کہ اس امّتِ واحدہ کو کثیر التعداد قومیّتوں میں تقسیم کر دیں وہ اسی چیز کو زندہ کرنا چاہتے ہیں جس کو آپ نے ختم کیا تھا، اُسی چیز کو بگاڑ رہے ہیں جس کو آپ نے بنایا تھا۔ وہ اس امّت کو عہدِ جاہلیت کی طرف دوبارہ واپس لے جانا چاہتے ہیں۔ جس سے آپ نے اُس کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نکالا تھا اور اس معاملہ میں یورپ کی تقلید کر رہے ہیں جو خود زبردست ذہنی افلاس اور انتشار و بے یقینی کا شکار ہے، وہ اللہ کی نعمت کو ناشکری سے تبدیل کر کے اپنی قوم کو تباہی کے گھر کی طرف لے جانا چاہتے ہیں۔ "چراغِ مصطفوی" اور "شرارِ بولہبی" کی معرکہ آرائی آج پھر قائم ہے۔ بدقسمتی سے ابولہب کے کیمپ کی طرف وہ لوگ نظر آ رہے ہیں۔ جو اسلام کی طرف اپنا انتساب کرتے ہیں اور عربی زبان بولتے ہیں۔ وہ آج اپنے جاہلی کارناموں اور اصنام پر فخر کرنے لگے ہیں۔ جن کو آپ نے پاش پاش کر دیا تھا۔ یہ لوگ اُن تاجروں میں سے ہیں جو سودا خریدتے وقت تو زیادہ لینا چاہتے ہیں اور بیچتے وقت کم دیتے ہیں۔ آپ سے انہوں نے ہر چیز حاصل کی اور ہر طرح کی قوت و عزت سے بہرہ مند ہوئے۔ اب وہ اُن قوموں کے ساتھ جن کے وہ حاکم اور نگران ہیں یہ سلوک کر رہے ہیں۔ کہ اُن کو بالجبر یورپ کے قدموں میں ڈال دینا چاہتے ہیں اور اس کو جاہلی فلسفوں، نیشنلزم، سوشلزم، کمیونزم کے حوالہ کر رہے ہیں۔

آپ نے جن بتوں سے کعبہ کو پاک کیا تھا وہ آج مسلمان قوموں کے سروں پر نئے نئے ناموں اور نئے نئے لباسوں میں پھر مسلّط کئے جا رہے ہیں۔ مجھے عالمِ عربی کے بعض حصّوں میں جن کو آپ کا مرکز اور قلعہ ہونا چاہئے تھا۔ ایک عام بغاوت نظر آ رہی ہے۔ لیکن کوئی فاروق (رضی اللہ عنہ) نہیں۔ فکری و ذہنی ارتداد کی آگ تیزی کے ساتھ پھیل رہی ہے اور کوئی ابوبکر (رضی اللہ عنہ) نہیں جو اس کے لئے مردانہ وار میدان میں آئے اور اس آگ کو بجھائے۔

میری طرف سے اور میرے تمام ساتھیوں کی طرف سے جن کی نمائندگی اور ترجمانی کا فخر مجھے حاصل ہوُا ہے۔ آپ کو دل کی گہرائیوں سے نکلنے والے اور عقیدت و احترام کے جذبات میں ڈوبے ہوئے سلام کا تحفہ قبول ہو۔ مَیں آپ کو یقین دلاتا ہوں اور اللہ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ ہم ان تمام لیڈروں اور رہنماؤں سے بَری اور بیزار ہیں۔ جنہوں نے اپنا رُخ اسلام کے قبلہ کی طرف سے پھیر کر مغرب کی طرف کر لیا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں۔ جنہیں آپ سے اور آپ کے دین سے کوئی تعلق باقی نہیں رہ گیا ہے۔ ہم آپ کی وفاداری اور اطاعت شعاری کا پھر اعلان کرتے ہیں اور جب تک زندگی ہے اسلام کی اس رسّی کو انشاء اللہ مضبوطی سے پکڑے رہیں گے۔

یہ بلیغ اور ایمان و یقین سے لبریز الفاظ ختم بھی نہ ہوئے تھے کہ مسجد نبویؐ کے میناروں سے اذان کی دلنواز صدا بلند ہوئی۔ اللہ اکبرُ اللہ اکبرُ اللہ اکبرُ، اللہ اکبر۔ میں یکبارگی ہشیار ہو گیا۔ اور تخیلات کا یہ حسین سلسلہ جو تاریخ کے سہارے قائم ہوُا تھا ٹوٹ گیا۔ مَیں اب پھر اسی دنیا میں واپس آ گیا تھا جہاں سے چلا تھا۔ کچھ لوگ نماز میں مشغول تھے اور کچھ تلاوت کر رہے تھے۔ عالمِ اسلام کے مختلف وجود اور جماعتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہدیۂ سلام پیش کر رہی تھیں۔ زبانوں اور لہجوں کے اختلافات کے ساتھ جذبات و تأثرات کے اتحاد نے ایک عجیب سماں پیدا کر دیا تھا۔

(ماخوذ از ماہنامہ الفرقان لکھنؤ)

استفتاء

سوال (۲):- بندہ نے ہندوستان میں ایک کافر سے رقم ادھار لے رکھی تھی اور آتے وقت ادا کرنے کا موقع نہیں ملا۔ اب رقم کافر کی منی آرڈر ہندوستان کراؤں یا جو شرع شریف کا حکم ہو تحریر کریں تاکہ عمل کر کے جناب کو دعا دیں
(خریدار نمبر ۳۸۴۵)

جواب (۲) قرض کا ادا کرنا واجب ہے اگر وہ زندہ ہے تو اس کو وہ نہ ہو تو اس کے وارثوں کو جس طرح ہو سکے ادا کیا جائے۔ معلوم نہ ہو سکیں تو اس قدر خیرات کر دیں۔

درمختار وشامی علیه دیون والظالم جهل اربابها وایس من معرفتهم فعلیه التصدق بقدرها (ج ۳ ص۴۴۵)

سوال (۳) ایک مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے قربانی کی نیت سے ایک جانور لیا۔ مگر وہ جانور گم ہو جانے کی صورت میں ایک اور جانور خرید لیتا ہے۔ اگر پہلا گم شدہ جانور مل جائے تو اس صورت میں امیر کے لیے ایک جانور قربانی کے لیے کافی ہے اور غریب کے لیے دونوں ضروری ہیں اس مسئلہ کی مزید تشریح کی ضرورت ہے۔ نیز یہ بھی فرمائیں کہ یہ مسئلہ کونسی حدیث میں ہے یا فقہ کی کتاب میں، پورا حوالہ دیں۔ عین نوازش ہوگی۔
(محمد فاضل حبیب خریدار نمبر ۳۲۶۶ تلونڈی کھجوروالی۔ ضلع گوجرانوالہ)

جواب (۳):- بدائع الصنائع ج ۵ ص۶۶

ولو اشتری الموسر شاة للاضحیة فضلت فاشتری شاة اخری لیضحی بها ثم وجد الاولی فی الوقت فالافضل ان یضحی بهما فان ضحی بالاولی اجزاه ولا تلزمه التضحیة بالاخری ولا شیٔ علیه غیر ذلك الی ان قال وان ضحی بالثانیة اجزاه وسقطت عنه الاضحیة ولیس علیه ان یضحی بالاولی لان التضحیة بها لم تجب بالشراء بل كانت الاضحیة واجبة فی ذمته بمطلق الشاة فاذا ضحی بالثانیة فقد ادی الواجب بها بخلاف المتنفل بالاضحیة اذا ضحی بالثانیة انه یلزمه التضحیة بالاولی ایضا لانه لما اشتراها للاضحیة فقد وجب علیه التضحیة بالاولی ایضا فلا یسقط بالثانیة الخ

مسئلہ تو یہاں بھی صاف ہے۔ دوسری کتابوں میں بھی ہے اور حضرات فقہائے کرام جو کچھ حکم بتاتے ہیں وہ قرآن و حدیث کے ہی صاف حکم یا اشارات ہوتے ہیں اور ہزار سال سے تنقیح شدہ ہیں آج کل جو لوگ کوئی مسئلہ کہہ کر قرآن و حدیث سے براہ راست اس پہ دلیل لاتے ہیں وہ کم علمی ہوا و ہوس کے زمانہ حضورؐ کے قرن مبارک سے دوری اور تقویٰ و طہارت اس درجہ کی نہ ہونے کی وجہ سے قابل اطمینان نہیں ہو سکتے نہ ان پر اس قدر تنقیح و تنقید ہو چکی ہوتی ہے اس لیے وہ غیر معتبر ہیں صرف وہی مسئلہ معتبر ہے جو فقہائے کرام کے خون پسینہ ایک کر کے تحقیقات حقہ کا نتیجہ ہے۔ ان کے خلاف جو کچھ کوئی کہتا ہے وہ کم علموں کے لیے غلطی کا راستہ نکالتا ہے۔

تسلی کے واسطے اس فرق کی دلیل مختصر بھی عرض ہے۔ جس پہ قربانی واجب نہ تھی اس نے جب جانور خرید لیا تو خاص اس جانور کو قربانی کے لیے معین کر لیا۔ اس کو خدا کے نام کا کر دیا تو اب اس پہ اسی خاص جانور کی قربانی واجب ہو گئی اللہ تعالے کا ارشاد ہے وَلَا تُبْطِلُوْا اَعْمَالَكُمْ اپنے عملوں کو باطل نہ کرو۔ ہر نفل شروع کرنے سے پہلے نفل ہے۔ شروع کے بعد یعنے عمل کہلانے کے بعد اس کو باطل کرنا منع اور پورا کرنا واجب ہے۔ اگر نفل نماز، روزہ وغیرہ شروع کرنے یعنے عمل بن جانے کے بعد توڑا جائے گا تو اسی آیت سے قضا واجب ہوگی۔ جب بغیر واجب ہونے کے اس نے خود ایک جانور قربانی کے لیے معین کر لیا تو یہ عمل بن گیا۔ اب صرف اسی کی قربانی واجب ہو گئی۔ چنانچہ اگر اس میں کوئی عیب بھی پیدا ہو گیا ہو تو بھی اسی کی قربانی اس غریب پہ رہے گی۔ اور اگر گم ہو گیا تو جب اسی کی قربانی واجب تھی وہ نہ رہا تو قربانی دوسرے جانور کی اس کے ذمہ نہیں ہے۔ اور اگر گم ہونے پہ اس نے دوسرا خرید لیا تو خرید نے سے اسی طرح دوسرے کی معین ہو کر واجب ہو گئی۔ اگر پہلا بھی مل گیا تو ہر جانور کی محض خریدنے سے اس کے ذمہ قربانی واجب ہو گئی تھی۔ دونوں کی واجب ہوگی۔

اور جس پر پہلے سے واجب تھی اس پر کسی خاص معین جانور کی اس کے خریدنے کی وجہ سے نہیں بس ایک جانور کی واجب تھی جو بھی ہو ایک گم ہو گیا تو دوسرا لے لیا۔ اگر پہلا بھی مل گیا تو چونکہ خاص معین جانور کی واجب نہ تھی صرف ایک کی واجب تھی وہی رہی ایک کرنا کافی ہوگا۔ ہاں اگر دوسرا کیا اور وہ کم قیمت ہوگا تو باقی قیمت خیرات کرنا واجب ہوگا۔ اسی لیے عیب دار ہونے یا مر جانے یا گم ہو کر نہ ملنے سے معافی نہیں ہوتی دوسرا کرنا ضروری ہوتا ہے اور غریب پر نہیں ہوتا۔

سوال ہو سکتا ہے کہ صاحب نصاب نے جب قربانی کی نیت سے جانور لے لیا تو یہ بھی عمل بن گیا خود اسی جانور معین کی قربانی یہاں بھی واجب ہونی چاہئے ورنہ ابطال عمل کا جرم ہوگا اور معین ہونے کے بعد امیر غریب برابر ہو گئے تو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ دونوں میں ایک لطیف اور گہرا فرق ہے وہ یہ کہ امیر پہ تو قربانی واجب تھی۔ مگر کسی معین جانور کی واجب نہ تھی کوئی بھی جانور ہو۔ اب قربانی اس کے خریدنے سے ہی واجب نہیں ہوئی واجب پہلے سے تھی۔ اس لئے ابھی کوئی عمل نہیں ہوا عمل کی تیاری ہوئی ہے اور عمل ذبح سے ہوگا ذبح کے بعد اس کو بدل جائز نہ ہوگا اور غریب پہ واجب نہ تھی۔ اس نے جانور خرید کر اپنے ذمہ کر لی تو اس کا عمل ابھی سے شروع ہو گیا کہ وجوب اس جانور کا ہو گیا اور ذبح کرنے سے اس کی تکمیل ہوتی ہے جیسے کسی پہ قربانی واجب نہ ہو اور وہ منت مان لے کہ اگر میرا فلاں کام ہو گیا تو اس معین جانور کی قربانی کروں گا۔ اس کا بھی ایک عمل شروع ہو گیا چاہے منت ماننے والا غریب ہو اور چاہے امیر مگر اپنی واجب کے علاوہ دوسری قربانی کی منت مانتا ہے تو دوسری تو اس پر واجب نہ تھی مگر اسی منت ماننے سے وہ اور الگ واجب ہو گئی۔ اس کا عمل شروع ہو گیا۔ اور اسی معین جانور کی قربانی واجب ہو گی اگر وہ مر جائے یا گم ہو کر نہ ملے تو اس کا بدلہ واجب نہیں اور اگر منت میں جانور معین نہ تھا صرف یہ تھا کہ قربانی کروں گا تو واجب پہلے ہی ہو گئی۔ خریدنے سے واجب نہ ہوگی عیب یا موت یا گم ہونے سے بھی واجب رہے گی۔ تبدیلی بھی جائز ہوگی کہ عمل شروع نہیں ہوا۔

سوال (۴):- قربانی کے تیسرے روز قربانی کس وقت تک جائز ہے۔ کتاب کا حوالہ مطلوب ہے
(سائل مذکورہ بالا)

درمختار میں ہے و اول وقتہا بعد الصلوٰۃ ان ذبح فی مصر و بعد طلوع فجر یوم النحر ان ذبح فی غیرہ و اٰخرہ قبیل غروب الیوم الثالث (شامی ج ۵ ص ۲۲۸) لہٰذا بارہ تاریخ کے غروب سے پہلے تک جائز ہے۔ شہری کو شہر میں نماز سے پہلے اور دیہاتی کو ۱۰ تاریخ کی صبح صادق سے پہلے اور سب کو ۱۲ تاریخ کے غروب آفتاب کے بعد جائز نہیں۔

سوال (۵) کیا فرماتے ہیں آپ اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مفلس و نادار کسی امیر سے کچھ رقم بطور قرض لیتا ہے۔ مگر شخص غریب ہونے کی وجہ سے ادا نہیں کر سکتا کیا امیر آدمی اپنے زکوٰۃ فنڈ سے وہ رقم اگر اس غریب کو دے دیوے تو جائز ہے؟ یا خود اپنے ہاتھ سے گھر کی رقم میں سے زکوٰۃ دلوے؟ مفصل اور مدلل جواب تحریر فرمائیں۔ (حافظ محمد رمضان)

جواب (۵) قرض کو زکوٰۃ میں معاف کر دینے سے تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ ہاں زکوٰۃ کی رقم اس کو دے دے۔ مالک بنا دے۔ پھر اپنے قرض کو وصول کر لے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ فرض و واجب صدقات میں مال کا مالک بنا کر دینا ضروری ہے اور معافی مال کا مالک بنانا نہیں ساقط کرنا ہے۔

درمختار میں ہے و اداء الدین عن العین وعن دین سیقبض لایجوز وحیلۃ الجواز ان یعطی مدیونہ الفقیر زکوتہ ثم یاخذہا عن دینہ۔

شامی میں ہے اداء الدین عن العین کجعلہ مافی ذمۃ مدیونہ زکاۃ لمالہ الحاضر (ج ۲ ص ۱۶)

سوال (۶): ایک عورت نے خدا اور رسول کی بار بار قسمیں کھا کر کئی دفعہ اپنے خاوند سے کہا ہے کہ میرا تیرا فیصلہ ہو گیا ہے۔ میرا تیرے ساتھ ازدواجی تعلق ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا ہے۔ تو میرے پر حرام ہو گیا ہے میں تیرے گھر کبھی آباد نہیں ہو سکتی۔ یہ الفاظ قسمیہ حلفیہ طور پر کئی بار دہرا کر وہ بلا اجازت و بلا مرضی اپنے خاوند کے گھر سے فرار ہو جاتی ہے۔ تو کیا اس عورت کا نکاح اپنے خاوند کے ساتھ قائم رہ سکتا ہے؟ — یہ بات ملحوظ رہے کہ خاوند نے عورت کے الفاظ مذکورہ کے جواب میں کوئی لفظ نہیں بولا ہے از راہ نوازش اس کا صحیح جواب شرعی بلا تاخیر تحریر فرماویں

(سید محمود شاہ موضع جوئیاں ضلع سیالکوٹ)

جواب (۶): عورت کچھ کہے اس سے طلاق نہیں ہوتی۔ طلاق کا اختیار صرف مرد کو ہے۔ جب تک وہ طلاق یا اس کے معنے کا کوئی لفظ نہیں کہے گا طلاق نہ ہوگی۔ گھر سے بلا خاوند کی مرضی کے جانے سے عورت کے حقوق اس وقت تک کے لیے خاوند کے ذمہ نہیں رہتے جب تک واپس نہ آ جائے اور ایسے جانے سے نکاح نہیں ٹوٹ سکتا۔ درمختار کتاب الطلاق میں ہے و اہلہ زوج عاقل بالغ مستیقظ (شامی ج ۲ ص ۵۷۵) قرآن شریف میں جہاں طلاق کا ذکر ہے مرد کو طلاق دینے والا اور عورت کو طلاق دی ہوئی قرار دیا گیا ہے اور ابن ماجہ و دارقطنی کی حدیث ہے الطلاق لمن اخذ بالساق طلاق کا حق اس کو ہے جو عورت سے فائدہ کا حق دار ہے۔ لہٰذا عورت کو طلاق دینے کا حق نہ اس کے لفظ سے کسی وقت طلاق ہو سکتی ہے۔

سوال (۷) راقم حضرت شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مریدوں میں سے تو نہیں ہے البتہ عقیدتمندوں سے ضرور ہے۔ اخبار نوائے وقت جو ملتان سے شائع ہوتا ہے کے مورخہ ۸ اپریل ۶۲ء کے اخبار نوائے وقت ص ۶ پر مولانا احمد علی کے مزار سے پراسرار خوشبو کے عنوان سے خبر درج ہے۔ اس سے تو انکار نہیں ایسے بزرگوں کے مزار سے عنبر و مشک کی خوشبوئیں نہ آئے۔ البتہ خبر کے مطابق جو عقیدت مند مزار مبارک سے مٹی اٹھا کر بطور تبرک گھر لے جا رہے ہیں یا اپنے بدنوں پر مل رہے ہیں ان کی روک تھام ہونی چاہئے۔ کیونکہ آگے چل کر یہ صورت حال خراب ہو جانے کا اندیشہ ہے ہاں اگر تبرک کی مٹی کا کوئی شرعی جواز ہو تو نہیں کہا جا سکتا۔ اور بندہ کو از راہ کرم جواب باصواب سے نوازیں۔ نیز چار دیواری کے اندر پھولوں کے پودے یا اگربتی جلانا کیسا ہے۔ اگر شرعی جواز نہ ہو تو بند کیا جائے۔ اور جواب سے نوازا جائے۔

(حکیم محمد عبدالرحیم عزیز)

جواب (۷): اس قسم کی کرامتوں کا ظہور پہلے بھی ہوا ہے۔ بہت سے بزرگوں سے منقول ہے کہ بعد وفات یا ان کی قبور سے ایسے ایسے امور ہوئے ہیں۔ خود حدیث شریف میں حضرت نجاشی کی قبر پر نور کا نمایاں ہونا آیا ہے اور کرامات کا ظہور آیات و احادیث سے موجود ہے۔ احقر کی کتاب جمال الاولیاء کے شروع میں یہ بحث ملاحظہ ہو سکتی ہے۔ اور اس سے مقصود یہی ہوتا ہے کہ اس کے ذریعہ ہدایت پا کر زندہ علمائے حق سے راہ مستقیم حاصل کریں۔ کرامتوں کا انکار غلطی اور بدعت ہے۔ ہاں غلو اس میں منع ہوگا۔

اور جس طرح چراغ وغیرہ قبر پر منع ہیں اگربتیاں بھی رسم ہیں اور پھول چڑھانے کی ہندوانہ رسم کے مشابہ ہیں۔ اور پھولوں کے پودے بھی۔ ان سب باتوں سے روکنا ضروری ہے۔ پھر ان باتوں سے اور خرابیاں پیدا ہونے کا اندیشہ ہے

بقیہ فضلائے دیوبند سے خطاب صفحہ ۱ سے آگے

تو ملک میں اس کا بڑا شہرہ ہوا۔ ملک کو اس کا شدید انتظار ہے۔ بیرونی ممالک کے لوگ بھی منتظر ہیں کیونکہ ان میں حجازی بھی ہیں، انڈونیشیا، سماٹرا، ملایا، چین، ترکستان، ایسٹ افریقہ، افغانستان کے فضلا ہزاروں کی تعداد میں ہیں تو ہزاروں کی تعداد میں جب جلسہ ہوگا تو ایسی صورت میں گورنمنٹ کے سامنے ویزوں کے لئے درخواست دینا ہوگا متعلقہ حکومتوں سے اجازت لینا ہوگی۔

اس کے ساتھ مصارف کا تخمینہ اور ساتھ ہی ساتھ آمد کا اندازہ وغیرہ اہم امور ہیں۔ کیونکہ حاضرین کا اندازہ ڈیڑھ دو لاکھ سے کم نہ ہوگا۔ پورے ملک میں انتظار ہوگا۔ ہم لوگ اس پریشانی میں مبتلا ہیں۔ کہ دیوبند کی آبادی تیس ہزار ہے اور اگر دو لاکھ آ جائیں تو اس آبادی میں کس طرح سما سکیں گے کہاں بسیں گے۔ ہر ایک فاضل کو پگڑی باندھنی ہوگی اور اگر دس روپے قیمت فی پگڑی ہو تب بھی پچاس ساٹھ ہزار روپے صرف پگڑیوں کے مصارف ہوں گے۔

اور اگر یہ بھی آسان ہو جائے تو اس کے باندھنے کا مسئلہ ہے کل یہاں (دارالعلوم حقانیہ میں) ۳۰ — ۳۵ طلبہ کو پگڑی بندھوانی تھی تو بہت سے بزرگ تھک گئے، ہاتھ تھک گئے مگر ختم نہیں ہو رہے تھے۔ تو یہ تقریباً پانچ ہزار پگڑیاں باندھنا آسان کام نہیں۔ کل دستاربندی کے وقت ہمارے مولانا عبدالحنان صاحب ہزاروی نے خوب جملہ چسپاں کیا کہ یہ پگڑیاں ہیں یا سوٹا بازی ہے میں نے کہا کہ پگڑیاں بھی کلف دار ہیں اور باندھنے والے بھی مکلف ہیں اور پگڑیاں بھی ذرا مکلف ہونی چاہئیں کلف لگا ہوا ہو یہ بھی صورت ہے کہ اس وقت پیچ و خم نہ ہو بلکہ پہلے سے باندھ کر رکھ دی جائیں۔ (یہ جملے حضرت نے مزاحاً فرمائے)

خیر ان حالات کی وجہ سے یہ جلسہ ذرا مؤخر کیا گیا۔ مجلس شوریٰ میں یہ بھی بات زیر بحث آئی کہ دارالعلوم کے سو سال ہوا کرتے ہیں ایک سال باقی ہے۔ صدی پوری ہونے پر سو سالہ جشن منایا جائے۔ بہرحال منصوبہ ہے تجویز ہے۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق اور امداد پر منحصر ہے۔ وسائل جمع کرنے کے لئے سوچ رہے ہیں کہ

ہندو بیرونِ ہند کے دو ڈھائی لاکھ افراد جمع ہو سکیں - اور جلسہ کا انعقاد کیا جاسکے یہ تنظیم کی غرض و غایت ہے یہ چند باتیں تنظیم کے بارہ میں عرض کی گئیں

یہاں آج اس مجلس میں اس صوبہ کے فضلاء اس غرض سے جمع ہوئے کہ مقاصد پر غور کیا جائے - مَیں تو دیکھ کر خوش ہونے والوں میں ہوں گا - اب کام ان حضرات کو کرنا ہوگا، کام آپ حضرات ہی کا ہے - و آخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین -

بقیہ مجلسِ ذکر صفحہ ۲ سے آگے

ابنائے جنس کے متعلق یہ ہے کہ دوسروں کی ایذا دہی برداشت کرتا جائے اور خود دوسروں کے لئے ایذاء رسانی کا خیال بھی دل میں نہ لائے - چنانچہ حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے - یہ دنیا تب نبھتی ہے کہ دوسرے کا حق روکو نہ اور اپنا حق مانگو نہ --- اس کے علاوہ کوئی صورت آج کل دنیا میں نبھاؤ کی نہیں ہے -

رب العالمین کے ساتھ حسنِ خلق کے معنی یہ ہیں کہ جو معاملہ بندے اور رب العالمین کے درمیان ہے - اُسے موجب شکر قرار دے اور احکام یا افعالِ الٰہی کے بارے میں کبھی دل و زبان پر ادب اور شکر کے سوا کوئی لفظ جاری نہ ہو - شیخ الاولیاء سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی محبوب سبحانی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے :-

"اللہ کے ساتھ تیرا معاملہ یہ ہونا چاہئے کہ اس میں مخلوق کا ذرا تعلق نہ ہو - اور مخلوق کے ساتھ تیرا معاملہ ایسا ہونا چاہئے کہ تیرے نفس کا اس میں کچھ حصّہ نہ ہو -

اللہ عزّ و جلّہٗ ہمیں ایسے ہی اخلاقِ حسنہ سے نوازے تاکہ قیامت کے دن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب نصیب ہو اور رضائے الٰہی کا تمغۂ مرحمت ہو --- آمین !

نوٹ

ترسیل زر کسی رکن یا منیجر کے نام پر نہ کریں - فقط "منیجر ہفت روزہ خدام الدین" منی آرڈر پر تحریر کریں

بقیہ خطبہ جمعہ صفحہ ۶ سے آگے

بیٹھ جانے کا نام صبر نہیں - بلکہ حوادثات کے تھپیڑے کھا کھا کر آگے بڑھنے کا نام صبر ہے - اور ایسے ہی غیور افرادِ ملّت کو زیب دیتا ہے کہ وہ اللہ کی معیّت کے مستحق ٹھہریں - ان اللّٰہ مع الصابرین

اصولِ چہارگانہ کی جامعیت

"جس طرح ہر قوم کی زندگی کا دارومدار ان اصول اربعہ کی پابندی پر کیا گیا ہے اسی طرح ہر شعبۂ زندگی بسر کرنے والوں کی کامیابی کا راز انہیں اصول میں مضمر ہے بلکہ ہر شخص کا انفرادی زندگی میں سرسبز و شاداب ہونا بھی انہیں زرّیں اصول میں منحصر ہے - ہاں یہ الگ چیز ہے کہ ہر موقعہ ہر محل، ہر مقصد کے علوم اپنے اپنے ہوں گے جد و جہد اور سعی کی نوعیت الگ ہوگی، قربانی کا رنگ علیحدہ علیحدہ ہوگا"

(حضرت شیخ التفسیر رحمۃ اللہ علیہ)

چنانچہ جو خوش قسمت حضرات ان چار اوصاف سے جامع ہوں گے اور خود کامل ہو کر دوسروں کی تکمیل کریں گے ان کا نام صفحۂ دہر پر زندۂ جاوید رہے گا اور جو آثار چھوڑ کر دنیا سے جائیں گے - وہ بطور باقیات الصالحات ہمیشہ ان کے اجر کو بڑھاتے رہیں گے -

اہمیت

درحقیقت یہ چھوٹی سی سورت سارے دین و حکمت کا خلاصہ ہے - امام شافعیؒ نے سچ فرمایا کہ اگر قرآن میں سے صرف یہی سورت نقل کر دی جاتی تو (سمجھدار بندوں کی) ہدایت کے لئے کافی تھی - بزرگانِ سلف میں جب دو مسلمان آپس میں ملتے تھے جدا ہونے سے پہلے ایک دوسرے کو یہ سورت سنایا کرتے تھے - (شیخ الاسلام)

حاصل

اگر آج بھی مسلمان اسلامی احکام کو اپنا لیں، قانونِ اسلامی کے نفاذ کے لئے ہمہ تن وقف ہو جائیں اور سورۂ عصر کے ان اصول چہارگانہ کے پابند ہو جائیں، ایمان و ایقان کی قوت پیدا کریں، ہمہ تن سرگرم عمل ہو جائیں، حق کا اعلان کریں، حق کا پیغام سنائیں، حق کا چیلنج کریں، حق کا پروپیگنڈا کریں اور راہِ حق میں پیش آمدہ مشکلات کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتے ہوئے منزلِ مراد کی طرف رواں دواں رہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ کامیابی ان کے پاؤں نہ چومے - اور اقوامِ عالم کی سرداری ان کے قدموں میں نہ آن پڑے -

ایک شُبہ

اگر کسی شخص کے دل میں یہ شبہ پیدا ہو کہ امریکہ و روس کی حکومتیں دنیا میں بلند و بالا مقام رکھتی ہیں - اور ساری دنیا کی سیاست ان کے اشارۂ چشم و ابرو پر رقص کرتی ہے وہ کب قرآن حکیم کو مانتی ہیں اور سورۂ عصر کے اصول کی کب پابند ہیں؟ تو یہ جان لینا چاہئے اور اسے اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہئے - کہ

قرآن کریم کے دو حصّے

ہیں - حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے - ایک وہ حصّہ ہے جس پر عمل کرنے سے دنیا میں عزت ملتی ہے - دوسرا وہ حصّہ ہے جس پر عمل کرنے سے آخرت میں عزت ملے گی - جو قوم قانونِ الٰہی کے حصۂ دنیاوی پر عمل کرے گی وہ دنیا میں بارگاہِ الٰہی سے عزت پائے گی اور جو قانونِ الٰہی کے حصۂ آخرت پر عامل ہوگی وہ آخرت میں بارگاہِ الٰہی میں سرافراز کی جائے گی اور جو دونوں حصّوں پر کاربند ہوگی وہ ہر دو جہان میں معزز و ممتاز ہوگی -

چنانچہ امریکہ و روس قانونِ الٰہی کے دنیوی حصّہ پر مسلمانانِ عالم کے مقابلے میں ان سے کہیں زیادہ بڑھ کر عمل پیرا ہیں - اس لئے دنیا میں سرافراز ہیں -

برادرانِ عزیز! آپ کو چاہئے کہ آپ قانونِ الٰہی کے ہر دو حصّوں پر دوسری اقوام سے کہیں بڑھ چڑھ کر عمل پیرا ہوں - تاکہ دنیا و آخرت ہر دو جہان میں کامیابی و کامرانی آپ کے قدم چومے -

اگر آپ خدا کی غیبی قوتوں پر یقین کر کے اپنی قوتِ عمل کا مظاہرہ کریں گے تو یقیناً نصرتِ الٰہی آپ کا ساتھ دے گی اور خدا آپ کو تمام اقوامِ عالم سے آگے بڑھا دے گا ؎

تا نسوزی در تنورے چوں خلیل
کے بیابی نصرتِ ربِّ جلیل

وما علینا الا البلاغ

بقیہ "ایک بہادر ماں" صد۱۹ سے آگے

ہوئی ادھر سے گذریں تو اپنے لختِ جگر کو تختۂ دار پر لٹکتے ہوئے دیکھ کر فرمایا ؎

ہو چکی دیر کہ منبر پہ کھڑا ہے یہ خطیب
اپنے مرکب سے اترتا نہیں اب بھی یہ سوار

سبحان اللہ! ایسی مصیبت کے وقت ایسے صبر آزما الفاظ نہ جزع نہ فزع۔ واقعی جن کو محبوبِ خدا ؐ نے "ذات النّطاقین" کے خطاب سے نوازا ہو وہ ہر آزمائش میں پورے کیوں نہ اتریں اور مصیبت میں صابر و شاکر کیوں نہ نکلیں۔ بس یہ خدا کا دین ہے ورنہ ایسے موقعوں پر تو بڑے بڑوں کے دل دہل جاتے ہیں۔ جب حجاج نے حضرت عبداللہؓ کی لاش کو پھینکوا دیا۔ تو ماں نے لاش مبارک کے ایک ایک ٹکڑے کو جمع کرایا، نہلایا اور دفن کرایا۔ لیکن آنکھ سے ایک آنسو بھی نہ بہایا، صبر و شکر سے کام لیا۔ مگر اندرونی غم سے زیادہ دن زندہ نہ رہ سکیں۔

خدا تعالےٰ ہم سب کو بھی صبر اور شکر کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

بقیہ اداریہ صد۳ سے آگے

نکاح و طلاق کے مسائل زیر بحث لائیں؟ یہ مسلمانوں کے چودہ سو سالہ متفقہ مسائل ہیں اور علماء ہی دینی مسائل پر رائے زنی کا حق رکھتے ہیں۔ ان کو حسبِ سابق رہنے دیجئے، ان کا فیصلہ علماء پر چھوڑئے اور ملک کو فواحش و منکرات سے پاک کرنے کی سوچئے ـــــ اس طرح اللہ عزّوجلّہ کی مدد آپ کے شامل حال ہوگی دیندار مسلمان آپ کے لئے دعائیں کرینگے اور خود غرض افراد کو آپ کے خلاف مذہبی پروپیگنڈا کرنے کا موقع بھی میسّر نہیں آئے گا۔ وما علینا الا البلاغ۔

عورتوں کے لئے

ایک بہادر ماںؓ

جناب محمد امین صاحب ہیڈ ماسٹر بورسٹل جیل لاہور

حضرت اسماءؓ حضرت صدیق اکبرؓ کی بیٹی اور حضرت عائشہ صدیقہؓ سے بڑی تھیں۔ آپ کو "ذات النطاقین" بھی کہتے ہیں۔ یہ خطاب آپ کو رسولِ پاکؐ نے عطا فرمایا تھا۔ کیونکہ ہجرت کی رات جب رسول پاکؐ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ اونٹوں پر سوار ہوئے تو توشہ وغیرہ باندھنے کے لئے رسّی کی ضرورت تھی۔ ہجرت کی رات، پھر جلدی میں تیاری اور سامان باندھنے کے لئے رسّی کی ضرورت، حضرت اسماءؓ نے فوراً اپنا کمربند پھاڑ کر دے دیا۔ تاکہ سامان وغیرہ کجاوے کے ساتھ باندھا جا سکے۔ اس وقت رسول اللہؐ نے حضرت اسمار کو "ذات النطاقین" کے خطاب سے نوازا۔ جس کا مطلب ہے "دو کمربند والی"۔ ابتدائے اسلام اور ہجرت کے وقت آپ کو بے حد تکالیف کا سامنا کرنا پڑا۔ مگر اپنے باپ کی طرح اللہ اور رسولؐ کی محبت ان تمام مشکلات پر غالب آ جاتی۔ باپ کی جدائی، دادا کی طعنہ زنی، کفار کی سختیاں اور مالی پریشانی سب کچھ صبر و شکر سے برداشت کیا۔ چنانچہ ہجرت کے پہلے ہی دن صبح کو ابوجہل آیا۔ اور حضرت اسمارؓ سے رسول پاکؐ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بابت پوچھا اور غصّے میں آکر حضرت اسمارؓ کے منہ پر بہت زور سے تھپّڑ مارا آپ کی بالیاں نوچ ڈالیں اور چہرہ مبارک زخمی کر دیا۔ مگر آپ نے صبر کیا۔

ہجرت کے بعد آپ کے خاوند حضرت زبیرؓ کو مدینہ منورہ سے دو میل دُور ایک قطعۂ زمین دیا گیا۔ جس کی دیکھ بھال بھی آپ ہی کرتیں۔ حضرت زبیرؓ تو ہر وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہتے اور اپنے آپ کو ہر وقت جہاد اور اسلام کی خدمت کے لئے تیار رکھتے اس وجہ سے گھر کا تمام کام کاج خود حضرت اسماءؓ کو کرنا پڑتا۔ حتیٰ کہ جہاد کے گھوڑے اور اونٹ کے لئے روزانہ گھاس اور کھجور گٹھلیاں خود ہی دو میل دُور ایک قطعۂ زمین سے لاتیں مگر یہ مشقّت کبھی بھی شاق نہ گذرتی اور نہ ہی حرفِ شکایت زبان پر آتا۔ بہادر بھی بہت تھیں۔ جنگِ یرموک میں انہوں نے مسلمانوں کو ابھارا اور مسلمان خواتین کی رہنمائی کی۔ اس فتح میں حضرت اسمارؓ کا کافی حصّہ ہے۔ جب آپ کے بیٹے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے عراق میں اپنی خلافت کا اعلان کیا تو خلافتِ امیہ کے دعویدار چاروں طرف سے ان پر چڑھ آئے۔ چنانچہ آپ نے کشت و خون سے بچنے کے لئے مکہ شریف میں پناہ لی مگر دشمنوں نے یہاں بھی پیچھا نہ چھوڑا حجاج بن یوسف نے تو انتہا کر دی۔ اور خانہ کعبہ کا بھی احترام نہ کیا۔ خانہ کعبہ پر آتشین پتھر منجنیقوں کے ذریعہ برسائے ایک دن حضرت عبداللہؓ اپنی والدہ ماجدہ حضرت اسماءؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ اس حالت میں جبکہ سب لوگ میرا ساتھ چھوڑ چکے ہیں اور سوائے چند ایک کے کوئی باقی نہیں رہا مجھے کیا کرنا چاہئے۔ تو حضرت اسمارؓ نے فرمایا کہ بیٹا اگر تم راستی پر ہو تو حق پر نثار ہو جاؤ۔ اور اگر تم اپنے آپ کو حق پر نہیں سمجھتے تو اس دعویٰ سے دست بردار ہو جاؤ۔ حضرت عبداللہؓ نے عرض کی امّی جان! مجھے موت کا ڈر نہیں صرف یہ خیال ہے کہ حجاج میری لاش کو برباد کرے گا حضرت اسماءؓ نے فرمایا کہ جب بکری ذبح کر لی جائے تو کھال اتارنے سے اُسے کوئی تکلیف نہیں پہنچتی۔ موت کے بعد جسم کی تکلیف کا کیا ذکر۔

ماں کے ان جرأت مندانہ الفاظ سے حضرت عبداللہؓ نے مقابلہ کی ٹھانی اور حجاج بن یوسف کا مقابلہ کیا۔ انجام کار آپ شہید ہو گئے۔ ظالم حجاج نے آپ کی نعش مبارک کو سولی پر چڑھا کر سرِعام لٹکا دیا تاکہ لوگوں میں خوف و ہراس پیدا ہو اور کوئی سر نہ اٹھائے دو دن کے بعد حضرت اسمار لاٹھی ٹیکتی

(باقی صـ۱۸ پر)

خواتینِ عرب کا استقلال

شبلی نعمانی

حضرتِ ابنِ زبیرؓ ابنِ عوام
جب ہوا ان پر خلافت کا مدار
کی مخالف نے چڑھائی ان پر
گرم تھا موت کا ہر سُو بازار
ہو گئے لڑ کے پھر آخر کو شہید
لاش کو ان کی چڑھایا سرِ دار
ان کی ماں نے جو سنی ان کی خبر
دل ہوا ان کا محبت سے فگار
لیکن از بس کہ طبیعت تھی غیور
نہ کیا رنج و الم کا اظہار
اتفاقاً جو ادھر جا نکلیں
کہ وہ موقعہ تھا سرِ راہ گذار
لاش بیٹے کی جو لٹکی دیکھی
منہ سے بے ساختہ نکلا یکبار

اب بھی منبر سے نہ اُترا یہ خطیب
اب بھی گھوڑے سے نہ اُترا یہ سوار

—•—

رجسٹرڈ ایل نمبر ۶۰۴۷

The Weekly "KHUDDAMUDIN"
LAHORE (PAKISTAN)

ایڈیٹر عبید اللہ انور

منظور شدہ محکمہ تعلیم (۱) لاہور بذریعہ چٹھی نمبری ۷/۱۶۳۲۱ مورخہ ۳ مئی ۱۹۵۶ء (۲) پشاور بذریعہ چٹھی نمبری T.B.C ۲۷۳۰-۲۴۸۱ مورخہ ۷ ستمبر ۱۹۵۶ء